

ماہنامہ

فکری، اصلاحی، دینی مجلہ

دوسلا

جلد ۱

شمارہ ۳

MONTHLY HOSLA

جولائی ۲۰۱۵ء رمضان اشوال ۱۳۳۷ھ

جو چپ رہے گی زبان خنجر لیو پکارے گا آستیں کا

ایم کیو ایم ایک مکروہ کردار

کراچی کی روشنیوں پر خون کی چٹڑھی دبیز تہہ اتر رہی ہے۔
سب نامعلوم اب معلوم ہو چکے ہیں۔

عید
الْفطر

روزے سے متعلق
اہم مسائل

آستیں کے سانپ
NGO
NETWORK

بہترین اسلام کیا ہے؟

عمر بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی

یا رسول اللہ ﷺ یہ بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا تیرا دل اللہ کا فرمانبردار بن جائے اور تیرے ہاتھ اور پاؤں سے دوسرے مسلمان محفوظ ہو جائیں

اس شخص نے دوبارہ سوال کیا بہترین اسلام کیا ہے؟

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایمان لانا۔

اس شخص نے دوبارہ سوال کیا ایمان کیا ہے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ پر اس کے رسولوں پر کتابوں پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانے پر یقین رکھنا۔

اس شخص نے دوبارہ سوال کیا بہترین ایمان کونسا ہے؟

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہجرت۔

اس شخص نے دوبارہ سوال کیا ہجرت کیا ہے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا گناہوں کو چھوڑ دینا۔

اس شخص نے دوبارہ سوال کیا بہترین ہجرت کونسی ہے؟

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جہاد۔

اس شخص نے پوچھا جہاد کیا ہے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو، تو ان سے لڑو۔

اس شخص نے پھر پوچھا کہ یہ بتائیے کہ بہترین جہاد کونسا ہے؟

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لڑتے ہوئے تیرے گھوڑے کی کوئی نچیں کاٹ دی جائیں اور تو شہید کر دیا جائے۔ یعنی تو اور تیری

سواری دونوں اللہ کے راستے میں کام آجائیں۔

(مسند احمد)

صفحات مجلہ

5	اداریہ
7	جہاد فی سبیل اللہ کا فلسفہ
12	نظامِ خدا اور ہم
15	آستین کے سانپ
17	عید الفطر
20	سیرت رسول ﷺ میں سادگی کے تابندہ نقوش
22	روزے سے متعلق اہم مسائل
27	برما جہاں انسانیت دم توڑ چکی!
29	انٹرویو: باری مسجد کی شہادت ---
32	اسلام کا تصور جہاد
35	اسلامی نظام معیشت چند نمایاں پہلو
39	امت مسلمہ کی حقیقی ترقی
42	بندہ مومن کا اخلاق
46	عبداللہ بن ام مکتومؓ
49	رمضان المبارک نیکوں کا موسم بہار
54	درویش شریف کے فضائل

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-

إِنَّ اللَّهَ لَيَذْغُ بِالسُّلْطَانِ مَا لَا يَذْغُ بِالْقُرْآنِ-

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ (اسلامی) حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سد باب کر دیتے ہیں جن کا سد باب قرآن سے نہیں کرتے۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۳ ص ۵۹، البدایہ والنہایہ، ج ۲ ص ۱۰، کنز العمال)

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-

الْإِسْلَامُ وَالسُّلْطَانُ أَخَوَانِ تَوَامَنِ لَا يَصْلَحُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا إِلَّا

بِصَاحِبِ فَالْإِسْلَامُ أَسُّ وَالسُّلْطَانُ حَارِسٌ وَمَا لَا لَاسٍ لَهُ

لِيَهْدِمَ وَمَا لَا حَارِسٍ لَهُ ضَائِعٌ

اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی

ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک

عمارت (بنیاد) کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے، جس عمارت کی

بنیاد نہ ہو، وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو، وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔

(کنز العمال)



monthlyhosla@gmail.com
azaansahar@gmail.com

اپنی مفید آراء، مثبت تحریکات و
پرمغز تجاویزیں اس رقی پتہ
پر ارسال کریں۔

www.azaan.pk/blog

facebook.com/ehtadal

twitter.com/molanaismatulah

www



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (۱۸۳)

اے ایمان والو! فرض کئے گئے تم پر روزے جیسا کہ فرض کئے گئے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پر ہیزگار بن جاؤ نماز اور روزہ دونوں بدنی عبادتیں ہیں اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور حج میں مال بھی خرچ ہوتا ہے۔ بدنی محنت بھی ہوتی ہے اس لیے وہ بدنی عبادت بھی ہے اور مالی عبادت بھی ہے۔ نماز تو نبوت کے پانچویں ہی سال مکہ معظمہ میں فرض ہو گئی تھی جو شب معراج میں عطا کی گئی۔

اور رمضان شریف کے روزے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ۲ھ میں فرض ہوئے۔ جس طرح نماز اور زکوٰۃ پہلی امتوں پر فرض تھی اسی طرح سے روزے بھی ان پر فرض تھے۔ (کَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ) میں یہ بتایا ہے کہ روزے کوئی نئی چیز نہیں ہیں یہ پہلی امتوں پر بھی فرض ہوئے تھے

انہوں نے بھی روزے رکھتے تھے تم بھی رکھو۔ روزہ سے صفت تقویٰ پیدا ہوتی ہے: پھر روزہ کی حکومت اور فائدہ بتاتے ہوئے فرمایا (لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ) روزے رکھنے سے

نفس کے تقاضوں پر زد پڑتی ہے اور قوی شہوانیہ میں ضعف آتا ہے اور تقویٰ صغیرہ و کبیرہ ظاہرہ اور باطنہ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ آیت کریمہ میں بتایا کہ روزہ کی

فرضیت تقویٰ حاصل کرنے کے لیے ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان کے اندر بہیمیت کے جذبات ہیں۔ نفسانی خواہشات ساتھ لگی ہوئی ہیں اور نفس کا ابھار معاصی کی

طرف ہوتا رہتا ہے۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس سے بہیمیت کے جذبات کمزور ہوتے ہیں اور نفس کا ابھار کم ہو جاتا ہے اور شہوات و لذات کی امنگ گھٹ جاتی

ہے۔ پورے رمضان کے روزے رکھنا ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ ایک مہینہ دن میں کھانے پینے اور جنسی تعلقات کے مقنضی پر عمل کرنے سے اگر باز رہے تو

باطن کے اندر ایک نکھار اور نفس کے اندر سدھار پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص روزے ان احکام و آداب کی روشنی میں رکھ لے جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں تو

واقعہً نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ جو گناہ انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں ان میں سب سے زیادہ دو چیزیں گناہ کا باعث بنتی ہیں۔ ایک منہ، دوسری شرمگاہ، حضرت امام

ترمذی (رح) نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ کون سی چیز دوزخ میں داخل کرنے کا

ذریعہ بنے گی۔ آپ نے جواب دیا: الفم والفرج یعنی منہ اور شرمگاہ۔ (ان دونوں کو دوزخ میں داخل کرانے میں زیادہ دخل ہے)۔ روزہ میں منہ اور شرمگاہ دونوں پر

پابندی ہوتی ہے اور مذکورہ دونوں راہوں سے جو گناہ ہو سکتے ہیں روزہ ان سے باز رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اسی لیے تو ایک حدیث میں فرمایا کہ (الصِّيَامُ جَنَّةٌ) یعنی

روزہ ڈھال ہے۔ (گناہ سے اور آتش دوزخ سے بچاتا ہے)۔ (بخاری ص ۲۵۴ ج ۱) اگر روزہ کو پورے اہتمام اور احکام و آداب کی مکمل رعایت کے ساتھ پورا کیا

جائے تو بلاشبہ گناہوں سے محفوظ رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ خاص روزہ کے وقت بھی اور اس کے بعد بھی اگر کسی نے روزہ کے آداب کا خیال نہ کیا روزہ کی نیت کر لی

کھانے پینے اور خواہش نفسانی سے باز رہا مگر حرام کما نے اور غیبت کرنے میں لگا رہا تو اس سے فرض تو ادا ہو جائے گا مگر روزہ کی برکات و ثمرات سے محروم رہے گی۔

جیسا کہ سنن نسائی میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا (الصِّيَامُ جَنَّةٌ مَا لَمْ يَغْرِقْهَا) (یعنی روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اس کو پھاڑ نہ ڈالے) اور

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ: مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ بِرَبِّهِ لَمْ يَدَعْ طَعَامَ وَشَرَابَهُ۔ جو شخص روزہ رکھ کر چھوٹی بات اور غلط کام نہ چھوڑے تو اللہ کو

کچھ حاجت نہیں کہ وہ (گناہوں کو چھوڑے بغیر) محض کھانا پینے چھوڑ دے۔ (بخاری ص ۲۵۵ ج ۱) معلوم ہوا کہ کھانا پینا اور جنسی تعلقات چھوڑنے ہی سے روزہ

کامل نہیں ہوتا بلکہ روزہ کو فواحش و منکرات اور ہر طرح کے گناہوں سے محفوظ رکھنا لازم ہے روزہ منہ میں ہو اور آدمی بدکلامی کرے یہ اس کے لیے زیب نہیں دیتا۔ اسی

لیے سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا (وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَزِفْتُ وَلَا يَصْخَبُ فَإِنْ سَاءَتْ أَحَدًا أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيُقِلْ إِنْهُ إِمْرَأَةٌ صَاءٌ) (یعنی جب تم میں سے

کسی کا روزہ ہو تو گندی باتیں نہ کرے۔ شور نہ مچائے، اگر کوئی شخص گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑا کرنے لگے تو (اس کو گالی گلوچ سے جواب نہ دے بلکہ) یوں کہہ دے کہ

میں روزہ دار آدمی ہوں۔ (بخاری ص ۲۵۵ ج ۱)۔ حضرت ابو ہریرہ (رض) سے روایت ہے کہ فرمایا فخر بنی آدم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بہت سے روزہ دار ایسے

ہیں جن کے لیے (حرام کھانے یا حرام کرنے یا غیبت کرنے کی وجہ سے) پیاس کے علاوہ کچھ نہیں اور بہت سے تہجد گزار ایسے ہیں جن کے لیے

(ریا کاری کی وجہ سے) جاگنے کے سوا کچھ نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۷) (مولانا عاشق الہیؒ بلند شہری)



ایم کیو ایم ایک مکروہ کردار

اس میں ذرا برابری نہیں کہ پاکستان کے حصول میں عوام کی مخلصانہ قربانیوں کا واحد مقصد ایک آزاد، خود مختار اسلامی ریاست کا حصول تھا۔ عوامی جذبوں کی ترجمانی کے لیے جسے دوقومی نظریے کا نام بھی دیا گیا۔ اسی سوچ اور حصول مقصد کی خاطر لاکھوں لوگ جان جان آفریں کے سپرد کر گئے۔ یہ سب والہانہ جذبوں کا مرہون منت تھا۔ دوسری طرف ایک بڑی تعداد زمین و جانیداد، کاروبار کو خیر باد کہہ کر نقشہ پرا بھرنے والے ایک نئے مسلم ملک کا خواب آنکھوں میں سجائے عازم سفر ہو گئے۔ یہی وہ مہاجرین کی بڑی تعداد تھی جسے کراچی جیسے شہر نے کھلی بانہوں سے قبول کیا۔ یقیناً یہ ہجرت بابرکت تھی۔ اس ہجرت کی برکات نے کراچی کو پاکستان کی معاشی شہرگ بنادیا۔ پھر یہی کراچی شہر ہی تھا جس نے آسمانی علم کے ایسے لذیذ اور میٹھے دسترخوان اپنے سینے پر سجادیے کہ دنیا بھر کے طلبہ نے کراچی کا رخ کیا اور آسمانی علم سے پیاس بجھانے لگے بھوک مٹانے لگے! دیکھتے ہی دیکھتے کراچی شہر روشنیوں کا شہر بن کر زمین کے سینے پر جگمگانے لگا۔ دشمن دین پر سب کیسے اور کیوں؟ کی آگ میں جلنے لگا۔ کراچی اور اہل کراچی سے اس مذہبی اور مذہب کی بنیاد پر زمینی بحث کے انتقام میں سیخ پا ہو گیا۔ مشرکین ہنود و یہود نے پھر کراچی شہر امن و سکون کی ماں کی گود لہو رنگ کر دینے کی ٹھان لی۔ 80 کی دہائی میں بیرونی دشمن کو اندونی سپورٹ کے آثار نظر آنے لگے۔ رنگ و نسل اور زبان کی تمام تفریقوں سے بالاتر کراچی کو رنگ و نسل اور قوموں کی تباہی کی آگ میں دھکیلا جانے لگا۔ پھر آج کراچی مہاجر قومیت کے نام پر بھڑکانی جانے والی نام نہاد آگ میں جھلس رہا ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ مقتدر قوتوں کی ناک کے نیچے یہ سب ہوتا چلا آیا ہے۔ ریٹائرڈ جنرل نصیر اللہ بابر نے کراچی کے مرض کی اصل تشخیص کو سمجھا ایک بڑا آپریشن لایچ کیا۔ بعد میں اس آپریشن کے اثرات کو قائم رکھنے کی بجائے سیاسی ضرورتوں اور نام نہاد جمہوری مصلحتوں کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس آپریشن میں شامل تمام سکیورٹی افسران کو بعد ازاں ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ آئندہ کوئی بھی کراچی کو پر امن بنانے کا خطرہ مول نہ لے سکے۔ پچھلی تین دہائیوں میں کراچی تیس ہزار سے زائد لاشوں کا بوجھ اٹھا چکا ہے۔ جو قومیت اور لسانیت کے تعصب کی آگ میں راکھ ہو گئے۔ پچھلے بیس برس اس بات کے شاہد ہیں کہ ایم کیو ایم ملک اور اسلام دشمن جماعت ثبوت نظر آتے رہے ہیں۔ مگر سیاسی حکومتوں کے جماعتی مفادات کی بغل میں ایم کیو ایم انسانیت کا خون چورتی بھی رہی اور پیتی بھی رہی، وقفاً فوقاً ایسے مجرم پکڑے جاتے رہے جو ایم کیو ایم کی باضابطہ ذمہ داریوں پر رہے اور رجسٹرڈ کر تھے۔ انھوں نے ہمیشہ اعتراف کیا کہ وہ ہندوستان کی ”را“ سے تربیت حاصل کر چکے ہیں۔ ایم کیو ایم کینیڈا اور جنوبی افریقہ کو اپنے ان بھیانک عزائم کے لیے مڈل لینڈ کے کردار کے طور پر استعمال کرتی رہی ہے۔ ایک طرف ایم کیو ایم نے کراچی کو معاشی مرکز بننے کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی بھرپور کوششیں جاری رکھیں۔ تو دوسری طرف مذہبی منافرت کے بیج بونے کے لیے شیعہ کمیونٹی کی بھرپور پشت پناہی کی۔ اس کھیل میں ایران بھی پیچھے نہ رہا۔ اس نے بھی کراچی کے گرم تندور پر اپنی روٹیاں لگانا شروع کر دیں۔ یوں بڑے بڑے علماء ایم کیو ایم کے قاتل و رکروں کے ہاتھوں اور ایرانی دولت کے ذریعے قبروں میں اتار دیے گئے۔ عالمی استعمار کی خواہش تھی کہ کراچی قتل بنا رہے۔ لہذا انھیں ایم کیو ایم کی شکل میں اور الطاف حسین کی

صورت میں اسلام اور ملک کا ایک بڑا دشمن متحرک فعال کردار مل گیا۔ حالیہ بی بی سی کی رپورٹ نے حلقی پرتیلی کا کام کیا۔ ایم کیو ایم کے ”را“ سے باضابطہ رابطے اور فنڈنگ کو رپورٹ کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ سب پہلے بھی کچھ پوشیدہ نہ تھا۔ یہ رابطے اور فنڈنگ صرف اور صرف اسلام اور پاکستان دشمنی کے لیے کی گئی۔ جس کے عوض ایم کیو ایم انھیں کراچی سے لہو کا خراج دیتی چلی آرہی ہے۔ وہ تمام میڈیا جو مذہبی معاملات پر ہمیشی آسمان سر پر اٹھائے رکھتا ہے۔ بین الاقوامی اشاروں کی بدولت وہ ہمیشہ ایم کیو ایم کے کردار کی پردہ پوشی کرتا رہا ہے۔ سول سوسائٹی کا موم ہتی مافیا بھی قومیت اور لسانیت کے نام پر ہونے والی قتل و غارت پر سکوت شب کا نظارہ دیتے رہے۔ بلکہ قاتلوں کے سر پرست اور بین الاقوامی خفیہ اداروں کے متحرک اور فعال ایجنٹ الطاف حسین کی تقریریں گھنٹوں سناتے رہے۔ کراچی میں سکیورٹی اداروں کے ہاتھ بھی ایسے بیسیوں شواہد موجود ہیں کہ ایم کیو ایم کے افراد ”را“ سے مستقل تربیت و وسائل حاصل کر رہے ہیں۔ (انڈین ایکسپرس اخبار نے اس حوالے سے ایک رپورٹ بھی شائع کی ہے) اور ملک کو خون ریزی کا شکار کر رہے ہیں۔ حالیہ دنوں میں ایران کی بھی پاکستان میں مداخلت کے ثبوت واضح ہو چکے ہیں۔ یہ سب رپورٹس اس بات کا تقاضہ کرتی ہیں کہ اسلام اور ملک دشمن ان عناصر سے کسی قسم کی رعایت نہ برتی جائے اور انھیں جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ الطاف حسین کا برطانیہ میں بیٹھ کر اس پورے نیٹ ورک کو فعال حالت میں رہتے ہوئے چلانا اور قتل و غارت کے احکامات دینا برطانیہ کے خفیہ اداروں کے بھی کردار پر سوالیہ نشان اٹھاتا ہے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہم نے برطانیہ سے یہ آزادی حاصل کی اور انھیں اقتدار سے نکال باہر کیا۔ جس نے برطانوی سامراج کی سخت سبکی ہوئی تھی۔ کیا برطانیہ اپنا قرض چکاتا کر رہا ہے؟ دیکھا جانا چاہیے۔ پاکستان میں موجود کسی بھی برطانوی شخص کی موت کا ذمہ دار کوئی ایک مجرم بھی پایا جائے تو آسمان سر پر اٹھادیا جاتا ہے۔ آخر تینیس ہزار پاکستانیوں کا قاتل برطانیہ کی گود میں کیوں باوقار طریقے سے بٹھا کر رکھا ہے۔ سفارتی سطح پر اس مسئلے کو اٹھایا جانا چاہیے۔ ایم کیو ایم کا مکروہ کردار ظاہر ہو چکا ہے۔ کراچی کی روشنیوں پر خون کی چڑھی دبیز تہہ اتر رہی ہے۔ سب نامعلوم اب معلوم ہو چکے ہیں۔ اب تقاضا یہ ہے کہ ان کرداروں سے ملک کو پاک کر دیا جائے۔

این جی اوز کا اسلام اور ملک دشمن کردار

ہمارا عرصہ دراز سے یہ موقف رہا ہے کہ پاکستان میں بین الاقوامی اور کچھ ملکی این جی اوز باقاعدہ کسی خفیہ ایجنڈے پر کام کر رہی ہیں اور وہ ایجنڈا اب کوئی راز بھی نہیں رہا مگر ان این جی اوز کی بین الاقوامی بااثر سرپرستوں نے ہمیشہ ان کی سرپرستی کی جس کی وجہ سے انہیں کبھی بھی زیر نگرانی نہیں رکھا گیا۔ ان این جی اوز کا سب سے پہلا ایجنڈا پاکستان میں فحاشی اور عریانی کا عروج ہے۔ پاکستان کی ثقافتی و تہذیبی اقدار کی ناکہ بندی اور بیخ کنی ہے۔ انہیں جب جب بھی موقع ملا انہوں نے اسلام دشمنی کا خمیر مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ پاکستان میں رہ کر غیر ملکی مفادات کا تحفظ ان کی اولین کارستانی رہا۔ بین الاقوامی خفیہ اداروں کے جوائنٹ این جی اوز کے لبادے میں ملک میں گھومنے پھرنے اور مطلب کی معلومات حاصل کرنے میں منہمک رہتے ہیں۔ یہ تمام ادارے ملک کے اندر رفاہی اداروں کے لیے دی گئی سہولتوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کی آمدن اور خرچ کا باقاعدہ حکومتی آڈٹ بھی نہیں ہوتا۔ دنیا جب بھی پاکستان کے سر کوئی الزام تھوپنا چاہتی ہے یہ این جی اوز ان کا ہراول بن جاتی ہیں۔ پاکستان میں ہمیشہ یہ این جی اوز اسلام مخالف قوانین کی ترویج اور نفاذ کے لیے کمر بستہ رہتی ہیں حکومت کے اداروں کی طرح یہ مدارس دینیہ، علماء کرام اور مذہبی افراد کا ڈیٹا بنک بنانے پر خواص توجہ مرکوز رکھتی ہیں جو کہ حکومتی اداروں کی طرح کا ایک متوازی سسٹم کی عکاسی کرتا ہے۔ اب جبکہ وزارت داخلہ کے پاس سیودی چلڈرن نامی این جی اوز اور دیگر کے رنگے ہاتھوں کر توت پکڑے جا چکے ہیں تو انہیں دیس نکالا دیا جانا چاہیے۔ ملک کے اندر کئی ایسے رفاہی ادارے موجود ہیں جن کا ہر آزمائش میں کردار بے لاگ رہا ہے۔ جنہوں نے واقعتاً اپنی قوم کے دکھوں کا مداوی کرنے کی کوشش کی۔ 2005ء کا زلزلہ ہوا یا سیلاب کی آفتیں مذہبی رفاہی اداروں کا کردار قابل تحسین رہا ہے۔ انہی لوگوں کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ بین الاقوامی ایجنڈے پر کاربند این جی اوز کو زیر نگرانی رکھا جائے، ان کا آڈٹ کیا جائے، ان کے ذرائع مواصلات کی بھرپور نگرانی کی جائے۔ خدمت کے نام پر جاسوسی کرنے والوں کو ملک بدر کر دیا جائے۔ یہی قوم و ملت کے مفاد کا آئینہ دار ہے۔

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جوڑتے ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنے والوں کو! علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مسلمانوں کے امام کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ سال میں ایک دفعہ یا دو دفعہ دارالحرب کی طرف لشکر بھیجے!

قتال فی سبیل اللہ کا فلسفہ

استاذ المحدثین حضرت مولانا شیخ سلیم اللہ خان صاحب زید مجاہد

کے قصد سے اپنے ہمراہ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت لے کر نکلے، لیکن مشرکین مکہ (جو اس وقت تک مکہ پر قابض تھے) نے مسلمانوں کو عمرہ کی ادائیگی سے روک دیا اور جنگ کے لیے آمادہ ہو گئے۔ بالآخر معاہدہ کے ذریعے طے پا گیا کہ اس سال مسلمان بغیر عمرہ کیے واپس مدینہ چلے جائیں گے اور آئندہ سال آ کر عمرہ کریں گے۔ پھر جب ذوالقعدہ 7ھ میں معاہدہ کی رو سے مسلمان عمرے کی غرض سے مکہ مکرمہ جانے لگے تو یہ خوف لاحق ہوا کہ اگر کفار مکہ اس سال معاہدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے آمادہ پیکار ہو گئے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اگر قتال کریں تو محترم مہینے یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور ربیع الثانی کی بے حرمتی اور حدود حرم کی بے حرمتی لازم آئے گی ہے۔ اور اگر قتال کا جواب قتال سے نہ دیں تو یہ خلاف حکمت ہوگا، مسلمانوں کی اس

ہی لڑیں تم سے تو ان کو مارو، یہی ہے سزا کافروں کی پھر اگر وہ باز آئیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے اور لڑوان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد اور حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا، پھر اگر وہ باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں، مگر ظالموں پر۔

ما قبل ربط: علامہ رازی رحمہ اللہ اس آیت کا ربط بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں، گزشتہ آیات میں مسلمانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا، ان آیات میں تقوے کی سب سے اعلیٰ قسم جو نفس پر انتہائی شاق گزرتی ہے، اسے بیان کیا جا رہا ہے، وہ ہے اللہ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو قتل کرنا، اس لیے حکم دیا جا رہا ہے اللہ کی راہ میں قتال کرو۔ (التفسیر الکبیر، البقرہ، ذیل آیت: 190)

شان نزول!

ذوالقعدہ 6ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾، وَقَاتِلُونَهُمْ حَيْثُ تَقِفُموهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تَقَاتِلُونَهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يَقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ، فَإِنْ انْتَبَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ، وَقَاتِلُونَهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَبَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ (سورہ بقرہ، آیت: 193-190) اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جوڑتے ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنے والوں کو اور مارڈالو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا اور دین سے بچلا مارڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے اور نہ لڑوان سے مسجد الحرام کے پاس، جب تک کہ وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ، پھر اگر وہ خود

پریشانی میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا۔

تفسیر: اللہ کی راہ میں قتال کرنے کا حکم!

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ: یعنی لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑیں اور حد سے تجاوز نہ کرو۔

اس آیت میں مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اگر مشرکین محترم مہینوں کی حرمت پامال کرتے ہوئے تم سے جنگ کریں تو تم بھی ان سے لڑو، لیکن تمہاری یہ لڑائی اغراض نفسانیہ کے لیے نہیں، بلکہ خالص رضائے الہی کے لیے ہونی چاہیے اور اس کا بھی خاص خیال رکھو کہ تم حد سے تجاوز نہ کرو۔

حد سے تجاوز کرنے کا مفہوم اکثر مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ جو لڑائی میں شریک ہو اسی سے لڑو اور جو لڑائی سے الگ تھلک ہو اس سے مت لڑو۔

یعنی راہبوں، (جو جنگ سے کنارہ کش رہتے ہیں) بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو، کیوں کہ وہ لڑنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، جنگ کی اطلاع کیے بغیر حملہ نہ کرو، لاشوں کا مثلہ نہ کرو، بغیر کسی جنگی مصلحت کے درختوں کو نہ جلاؤ، حیوانات کو قتل مت کرو، مال غنیمت میں خیانت مت کرو، عہد شکنی نہ کرو۔ عورتیں، بچے، بوڑھے اگر لڑائی میں شریک ہوں یا لشکریوں کو لڑائی پر ابھارتے ہوں اور اپنے لشکر کو فرار پر عار دلاتے ہوں تو ان کا قتل بھی جائز ہے۔ (احکام القرآن للقرطبی البقرہ ذیل آیت: 190) بعض مفسرین نے ”وَلَا تَغْتَدُوا“ کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے۔ صرف رضائے الہی کے لیے لڑو، قومیت، عصبيت اور شہرت کے لیے نہ لڑو۔

(ایضاً) بعض متقدمین نے اس آیت کو جہاد کی اجازت پر نازل ہونے والی پہلی آیت قرار دیا ہے (تفسیر ابن کثیر، البقرہ، ذیل آیت: 190) لیکن جمہور

علماء کے نزدیک اجازت قتال کی پہلی آیت سورۃ الحج کی آیت نمبر (39) ہے۔

کفار سے قتال کرنا عقل سلیم کا تقاضا ہے!

بحیثیت مسلمان ہمارا عقیدہ ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، بادشاہی صرف اسی کی ہے، حکم صرف اسی کا چلتا ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ خوشی ناخوشی اسی کے حکم کے سامنے نیاز جبین جھکائے ہوئے ہے، تاہم اللہ تعالیٰ نے انس و جن کو اپنے احکام کا مکلف بنانے کے بعد بطور اس کی فطری دعوت سے ہر سلیم الفطرت

انسان متاثر ہوتا ہے، اس لیے عالم کفر اس کو

پھیلتا پھولتا ہوا نہیں دیکھ سکتا، جہاں کہیں

اسلام کی روشنی پھوٹی ہے، وہاں ظلمتوں کے

رکھوالے فوراً متحرک ہو جاتے ہیں۔ آزادی

رائے اور آزادی عمل کے علم برداروں کو

داڑھی، نماز، برقعے، مساجد اور ان کے مینار

بھی ناگوار گزرتے ہیں۔

امتحان تصدیق و تکذیب کا اختیار بھی دے رکھا ہے،

تصدیق کرنے والے اہل ایمان کہلاتے ہیں،

تکذیب کرنے والے اہل کفر کہلاتے ہیں۔ اہل

ایمان اپنے خالق و مالک کی بادشاہی کو صدق دل

سے تسلیم کرتے ہیں، اس کے احکام بجالاتے ہیں

، اس لیے اہل ایمان اس کائنات کے حقیقی بادشاہ کا

وفادار گروہ ہے۔ کفار اپنے خالق و مالک کے احکام

کو خاطر میں نہ لاکر آمادہ بغاوت رہتے ہیں۔ اس لیے یہ غدار اور باغیوں کا گروہ ہے۔ اپنے حقیقی آقا

اور بادشاہ بلکہ اپنے خالق و مالک کی غداری کرنے

والے مجازی بادشاہ کی بغاوت کرنے والوں سے زیادہ مستوجب سزا ہیں۔ دنیا کے مجازی بادشاہ تو اپنے باغیوں سے زندگی کا حق بھی چھین لیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ نے ان کے کفر کے حقیقی عذاب کو آخرت پر چھوڑ کر دنیا میں اپنے وفادار گروہ مسلمانوں کے ماتحت زندگی گزارنے اور اپنی نعمتوں سے مستفید ہونے کا حق دیا ہے۔ اگر کفار مسلمانوں سے امان لے کر زندگی نہ گزاریں تو پھر ان کے خون کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، چنانچہ فقہائے کرام نے یہ شرعی قاعدہ بیان فرمایا ہے ”لَا نَدَمُ الْكَافِرَ لَا يَتَّقُومُ إِلَّا بِأَلَا مَانٍ“ (الدر المختار: 803/4) امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الاثم میں لکھتے ہیں: اللہ تبارک و تعالیٰ نے مؤمن کا خون اور مال حرام کیا ہے، سوائے اس صورت میں کہ وہ مرتد ہو جائے اور کافر کا خون اور مال مباح رکھا ہے، سوائے اس صورت میں کہ وہ جزیہ ادا کرے، یا کچھ مدت کے لیے مسلمانوں سے امان حاصل کر لے۔ (کتاب الامم: 1/301)

بلکہ تمام فقہاء نے اس قاعدے کو اپنی فقہی کتب میں بیان کیا ہے۔ (دیکھیے، المغنی، 7/651، کشف القناع، 5/585، مطالب اولی النہی 6/280، فتح القدیر، 4/278)

امان کی تین صورتیں ہیں!

1۔۔۔ ذمی بنت: مسلمانوں کے امیر کو سالانہ مخصوص رقم دے کر اسلامی ملک میں رہائش اختیار کرنا۔ اس کے بدلے میں ذمی کی جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کے ذمے ہو جاتی ہے۔

2۔۔۔ متامن: مسلمان کسی کافر کو کچھ مدت کے لیے پناہ دے۔ اس سے بھی کافر کی جان و مال محفوظ

ہو جاتا ہے۔

3۔۔ دارالاسلام کا کسی دارالحرب سے دس سال یا اس سے کم مدت تک کے لیے صلح کا معاہدہ ہو جائے، اس صورت میں بھی کفار کو امان حاصل ہو جاتی ہے،

قتال فی سبیل اللہ کا فلسفہ!

اسلام ایک کامل دین ہے، نظام حیات ہے، جو پوری کائنات کے انس و جن کی تاقیامت راہ نمائی کے لیے نازل کیا گیا ہے، چونکہ اس کے مخاطب ہر زمان و مکان کے انسان ہیں اور اس کی فطری دعوت سے ہر سلیم الفطرت انسان متاثر ہوتا ہے، اس لیے عالم کفر اس کو پھیلتا پھولتا ہوا نہیں دیکھ سکتا، جہاں کہیں اسلام کی روشنی پھوٹی ہے، وہاں ظلمتوں کے رکھوالے فوراً متحرک ہو جاتے ہیں۔ آزادی رائے اور آزادی عمل کے علم برداروں کو داڑھی، نماز، برقعے، مساجد اور ان کے مینار بھی ناگوار گزرتے ہیں۔ کفار کی اسی ذہنیت کا پردہ چاک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو چودہ سو سال پہلے متنبہ فرما دیا ہے: ﴿وَلَا يَزَالُونَ يَقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَزِدُّوَكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنَّ اسْتِطَاعُوا﴾ (البقرہ: 217) اور کفار ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے، یہاں تک کہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے اگر قابو پاویں) چونکہ یہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی، اس لیے نہ یہ امت من حیث المجموع ارتداد اختیار کرے گی اور نہ ہی کفار جنگ وجدال ترک کریں گے، کفار کے غلبہ کو ملیا میٹ کر کے ان کے جارحانہ اعمال سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھنے کا راز اقدام میں مضمر ہے۔

اقدامی جہاد اور دفاعی جہاد!

اقدامی جہاد، یعنی از خود جنگ کی ابتدا کرتے ہوئے

کافروں کے علاقوں پر حملہ کرنا، یہ فرض کفایہ ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مسلمانوں کے امام کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ سال میں ایک دفعہ یا دو دفعہ دارالحرب کی طرف لشکر بھیجے اور رعایا کا فریضہ ہے اس سلسلے میں امام کا تعاون کرے، اگر

وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ تَفْقَهُمُوهُمْ! گزشتہ آیت میں قتال کی اجازت دے کر اب حکم دیا جا رہا ہے کہ مشرکین سے حرم میں بھی قتال کرو۔ (التفسیر الکبیر، البقرہ، ذیل آیت: 191) پھر جہاں ان کو پاؤ قتل کرو اور سر زمین حرم سے بھی

چونکہ جزیرہ عرب کے بارے میں یہ مقرر ہو چکا کہ یہ تمام عالم اسلام کا محور و مرکز ہوگا، اب یہاں سجدہ کیا جائے گا تو صرف حاکم اعلیٰ ہی کو، پکارا جائے گا تو صرف رب لا شریک ہی کو، اگر کوئی

کلمہ پڑھا جائے گا تو وہ صرف اسلام ہی کا پڑھا جائے گا

امام کوئی لشکر نہیں بھیجتا تو اس کا گناہ امام پر پڑے گا۔“ (رد المحتار: 3/138)

دفاعی جہاد!

اس سے مراد کفار کو مسلمانوں کی مقبوضہ سرزمین سے نکالنے کے لیے جہاد کرنا ہے۔ یہ جہاد فرض عین ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر دشمن اسلامی سرحد پر حملہ آور ہو جائے تو وہاں کے لوگوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، اسی طرح اس کے قرب جوار کے مسلمانوں پر بھی جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، البتہ جو لوگ ان سے فاصلے پر دشمنوں سے دور رہتے ہوں، جب تک ان کی ضرورت نہ پڑے، مثلاً مقامی مسلمان دشمن کے سامنے بے بس ہو جائیں، یا سستی کی وجہ سے جہاد کے لیے اٹھ کھڑے نہ ہوں تو اس صورت میں اس علاقے کے قرب وجوار کے لوگوں پر جہاد نماز اور روزے کی طرح فرض عین ہو جاتا ہے، پھر اس کا دائرہ اس کے بعد والے علاقوں تک حسب ضرورت پھیلتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ اسی طرح سے مشرق و مغرب میں رہنے والے ہر مسلمان پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔“ (رد المحتار: 3/238)

انہیں نکال باہر کرو، جیسا کہ انھوں نے تمہیں ہجرت پر مجبور کیا تھا، کیوں کہ یہ لوگ اللہ کی بندگی سے روکنے اور شرک جیسے فتنے میں ملوث ہیں، پس کفار کا زور آور ہونا، طاقت ور ہونا، تمہارا انہیں قتل کرنے اور جلا وطن کرنے سے زیادہ مضر ہے۔ لہذا یہ مت سوچو کہ قتل کرنا اتنی بڑی بات ہے، اشہر حرم میں کیسے کریں؟ حرم میں قتال کی اجازت تب ہے جب یہ حرم میں پہل کریں، یا حرم سے باہر نکلنے پر آمادہ نہ ہوں۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: کفار کے ساتھ جب کہ شرائط جواز کے پائے جائیں ابتداء قتال (یعنی اقدامی جہاد) شروع کرنا درست ہے۔

جزیرۃ العرب!

جزیرہ عرب کے اندر جس میں حرم بھی آگیا، کفار کو وطن بنانے کی اجازت نہیں، اگر بزور رہنا چاہیں تو غیر حرم میں تو قتال کر کے بھی دفع کرنا جائز ہے۔ جمہور ائمہ دین کا اجماع ہے کہ ”اشہر حرم“ (محرم، رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ) میں قتال جائز ہے اور جن آیات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ منسوخ ہیں، لیکن افضل اب بھی یہی کہ ”اشہر حرم“ میں

ابتدا بالقتال نہ کرے۔ کفار عرب اگر اسلام نہ لائیں تو ان کے لیے صرف قتل کا قانون ہے، اگر وہ جزیہ دینا چاہیں تو نہ لیا جاوے گا۔ (بیان القرآن، البقرة، ذیل آیت: 191) ﴿فَإِنْ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ اگر کفار شرک و کفر سے باز آجائیں اور ایمان قبول کر لیں تو ان کے سابقہ کړتوتوں کو نظر انداز کیا جائے گا، ان کے قبول ایمان کی قدر کی جائے گی ”انْتَهَوْا“ جنگ سے باز آجانا کافی نہیں، بلکہ کفر و شرک سے باز آجائیں تب مغفرت و رحمت کے مستحق ہوں گے۔

جہاد کا حکم تاقیامت باقی ہے!

﴿وَقَاتِلُوا حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾ چون کہ جزیرہ عرب کے بارے میں یہ مقرر ہو چکا کہ یہ تمام عالم اسلام کا محور و مرکز ہوگا، اب یہاں سجدہ کیا جائے گا تو صرف حاکم اعلیٰ ہی کو، پکارا جائے گا تو صرف رب لاشریک ہی کو، اگر کوئی کلمہ پڑھا جائے گا تو وہ صرف اسلام ہی کا پڑھا جائے گا۔ لہذا اب یہ خطہ شرک و کفر کی غلاظت کا متحمل نہیں ہو سکتا، پس کفار سے لڑو یہاں تک کہ شرک ان علاقوں میں نہ رہے اور دین صرف اللہ کا رہے۔ (کذا فی روح المعانی: البقرة: 193) چنانچہ کفار عرب کے لیے دو ہی راستے رہ گئے تھے یا تو وہ اپنے کفر و شرک سے باز آکر قبول اسلام کی راہ اپنائیں، اس صورت میں ان پر اسلام کی طرف سے کوئی سختی نہیں، بلکہ وہ بھی دوسرے مسلمانوں کے بھائی ہیں، یا پھر مقتول ہونا پسند کریں۔ تیسرا راستہ (یعنی اپنے کفر و شرک پر قائم رہتے ہوئے اسلامی حکومت کو جزیہ ادا کر کے مسلمانوں کی ماتحتی میں بھی رہنے کی اجازت نہیں ہے) یہ حکم مشرکین عرب کے ساتھ مخصوص ہے۔

”وَقَاتِلُوا“ میں ”ہم“ کی ضمیر کس کی طرف راجع ہے؟ اس سے مطلق کفار بھی مراد ہو سکتے ہیں، مشرکین عرب بھی۔ تابعین کی اکثریت اور فقہائے احناف نے اس ضمیر کا مرجع مشرکین کو قرار دیا کہ ان کے لیے اسلام قبول کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ اگر اسلام قبول نہیں کرتے تو پھر جزیرہ عرب میں شرک کے خاتمے تک ان سے قتال کرو۔ اس

لیکن اس کا نتیجہ ہلاکت ہے، اس لیے کہ اگر مجاہدین کو خرچ نہ ملا تو وہ کمزور ہوں گے، ان کی کمزوری کی وجہ سے کفار ان پر اور پھر تمام بلاد اسلامیہ پر چڑھ دوڑیں گے اور فساد پھیلائیں گے، پس یہ ہلاکت قتال فی سبیل اللہ میں مال خرچ نہ کرنے کی وجہ سے پیش آئے گی۔

صورت میں ”فِتْنَةٌ“ سے شرک مراد ہوگا۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے سورۃ انفال کی آیت: ﴿وَقَاتِلُوا حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ﴾ (الانفال: 39) کی طرح اس آیت میں بھی ”ہم“ سے مطلق کفار مراد لیے ہیں۔ سورۃ انفال کی مذکورہ آیت میں مطلق کفار سے قتال کے حکم سے علامہ جصاص رحمہ اللہ نے ہر قسم کے کافروں سے قتال کے واجب ہونے پر استدلال کیا ہے۔ (احکام القرآن للجصاص، الانفال ذیل آیت: 39) اس صورت میں ”فِتْنَةٌ“ سے کفار کا غلبہ، ان کی شان و شوکت مراد ہوگی، یعنی کفار کی شان و شوکت توڑنے تک ان سے قتال جاری رکھو، کیوں کہ کفار کی شان و شوکت، ایک عظیم فساد ہے اور دنیا کو فساد سے پاک کرنا

اسلام کا مقصد ہے۔ لیکن علامہ آلوسی رحمہ اللہ اس صورت میں ایک اور توجیہ پیش کرتے ہیں کہ ”ہم“ کی ضمیر کا مرجع عام کفار ہیں اور ”فِتْنَةٌ“ سے کفر و شرک ہی مراد ہے، دنیا سے شرک و کفر حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کے بعد ختم ہوگا۔ لہذا آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ ظہور مہدی تک کفار سے قتال جاری رکھو۔ (روح المعانی، الانفال: ذیل آیت 39)

﴿الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (سورہ بقرہ، آیت 195-194) حرمت والا مہینہ بدلہ (مقابل) ہے حرمت والے مہینے کا اور ادب رکھنے میں بدلہ ہے، پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے زیادتی کی تم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں اور نیکی کرو، بے شک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔ تفسیر: ﴿الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ یعنی حرمت والے مہینے بدلہ ہیں، ان حرمت والے مہینوں کا جو حدیبیہ کے سال گذر چکے، ان مہینوں میں کفار نے ان کی حرمت کو پامال کیا اور جنگ کے لیے کھڑے ہو گئے تھے، لہذا ان کے بدلے مسلمانوں! تم بھی اس سال ان مہینوں کی حرمت کا خیال لا کر مت گھبرانا بلکہ انہیں لڑائی کا پورا پورا جواب دینا، یہ حرمتیں تو عوض اور ادلا بدلا کی چیزیں ہیں۔ اگر فریق مخالف (کفار) ان کا احترام کرتے ہوئے جنگ بندی کریں تو تم بھی ایسا کرو، ورنہ انہیں

اقتباس از: غربت کا حل

(مفتی سجاد حسین ظفر)

دنیا میں سب سے پہلے اسلام نے غرباء و مساکین، یتیموں اور یتیموں اور بے سہارا افراد کی کفالت کے بارے میں ایک اجتماعی اسکیم تیار کی اور اسے اسلام کا ایک رکن قرار دیا۔ اس اسکیم کے تحت اسلام نے ہر صاحب نصاب فرد پر معاشرے کے غرباء و مساکین اور بے سہارا لوگوں کا ایک مخصوص حصہ 2.5 فیصد متعین کیا، چنانچہ ہر مسلمان صاحب نصاب فرد پر اس کی ادائیگی کے سوا کوئی چارہ نہیں اسلام کی اس خود کفالتی اسکیم کا نام زکوٰۃ ہے اسلام کے اقتصادی نظام میں زکوٰۃ کی حیثیت مرکزی اور محوری ہے۔ اس کو نظر انداز کر کے اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام کا کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا اسلام نے مسلمانوں کو زکوٰۃ کا نظام اس لیے دیا ہے کہ اسلام کو انسانوں کا فقر و احتیاج میں مبتلا رہنا بالکل گوارہ نہیں۔ اگر معاشرے کے افراد فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں تو اس سے کئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں: انسان کا احسن تقویم کے مرتبے سے گر جانا کیونکہ بقدر کفایت رزق تو حیوانوں کو بھی مل جاتا ہے، اور انسان کو مہیا نہ ہو تو یہ معاشرتی طور پر کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ افراد امت کے درمیان بلند و بالا معاشی تفاوت کا پیدا ہونا، جس کو اسلام ناپسند کرتا ہے کیونکہ افراد معاشرہ کا اس قدر خستہ حال ہونا کہ فاقہ کشی تک نوبت چاہیے، وعید کا سبب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ”جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا اس بستی سے اللہ کی حفاظت و نگرانی کا وعدہ ختم ہو جاتا ہے۔“ (مسند امام احمد)

درست معلوم نہ ہو تو صاف اطلاع کی جائے کہ ہم وہ معاہدہ برقرار نہیں رکھتے، پھر قتال جائز ہے۔ اور اگر کفار خود ہی معاہدہ کا پاس نہ رکھتے ہوئے معاہدہ توڑ ڈالیں تب بھی ان سے قتال درست ہے۔ چنانچہ جب کفار مکہ نے اس عہد کو توڑ ڈالا تو ان سے قتال کیا گیا، یہاں تک کہ مکہ فتح ہو کر دارالاسلام ہو گیا۔

(ماخوذ از بیان القرآن: البقرہ: 190)

جزیرۃ العرب میں کفار کی رہائش!

جزیرہ عرب، جس میں حرم بھی داخل ہے، میں کفار (یہود و نصاریٰ، دہریے اور مشرکین) کو وطن بنانے کی اجازت نہیں اور اگر زبردستی وہاں قیام کریں تو قتال کر کے انہیں وہاں سے نکالنا لازمی ہے، یہ تو جب ہے کہ وہ حرم سے باہر ہوں۔ (کذا فی رد المحتار: مطلب فی احکام الکنائس والبیع: دارالفکر بیروت 2/41) لیکن اگر کفار یا کوئی مجرم حرم میں ہو تو اولاً ان سے قتال نہ کیا جائے، بلکہ بغیر قتال کے کوئی تدبیر ایسی اختیار کی جائے کہ وہ خود حرم سے نکل آئیں، پھر انہیں گرفتار یا قتل کیا جائے، لیکن اگر وہ اس طرح نہ نکلیں اور آمادہ قتال ہو جائیں تو اس وقت ان سے قتال کرنا بھی جائز ہے۔ (کذا فی الدر المختار: کتاب الحج، 9/165) اور آیت میں جو جزیرہ عرب میں رہائش پذیر کفار سے ابتدائے قتال کی ممانعت ہے، یہ اس حکم سے پہلے کا ہے، کیوں کہ کفار کو جزیرہ عرب سے نکالنے کا حکم بعد میں نازل ہوا۔ کفار عرب اگر اسلام قبول نہ کریں تو انہیں صرف قتل کیا جائے گا، اگر وہ جزیرہ دینا چاہیں تب بھی ان سے نہیں لیا جائے گا۔ (کما فی رد المحتار: مطلب: بیان معنی الغنیمۃ والفی 4/139 دارالفکر بیروت)

منہ توڑ جواب دینے میں کسی قسم کا تامل نہ کرو۔ یعنی اگر وہ تم پر زیادتی کریں تو تم بھی ان پر اسی طرح زیادتی کرو جیسی انھوں نے کی اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔

قتال فی سبیل اللہ کے لیے مال بھی خرچ کرو

﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ جہاد و قتال کے ذکر کے بعد مناسب تھا کہ مسلمانوں کو اس عمل میں خرچ کرنے پر ابھارا جائے، کیوں کہ یہ جہاد ہی ایک ایسا فریضہ ہے، جس کے ذریعے دین اسلام کا دفاع ممکن ہے، لہذا فرمایا اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور انفاق مال سے کنارہ کشی اختیار کر کے خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت ڈالو، کیوں کہ بظاہر تو خرچ کرنے سے کنارہ کشی میں مال محفوظ نظر آتا ہے، لیکن اس کا نتیجہ ہلاکت ہے، اس لیے کہ اگر مجاہدین کو خرچ نہ ملا تو وہ کمزور ہوں گے، ان کی کمزوری کی وجہ سے کفار ان پر اور پھر تمام بلاد اسلامیہ پر چڑھ دوڑیں گے اور فساد پھیلائیں گے، پس یہ ہلاکت قتال فی سبیل اللہ میں مال خرچ نہ کرنے کی وجہ سے پیش آئے گی۔

جہاد سے متعلق چند احکام!

ابتداء بالقتال: کفار کے ساتھ ابتداً قتال شروع کرنا درست ہے، بشرطیکہ جواز کی شرائط پائی جائیں اور شرائط جواز کتب فقہ میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ آیت میں جو ابتداء قتال شروع کرنے کی ممانعت ہے وہ صرف اس وقت پیش آمدہ خاص حالات کی وجہ سے ہے کہ اس وقت مسلمان صرف عمرہ کرنے جا رہے تھے، حرمت والے مہینے تھے اور کفار کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ بھی تھا۔ لہذا معاہدہ کی حالت میں اب بھی ابتدائے قتال درست نہیں، ہاں! اگر کسی خاص مصلحت کی وجہ سے معاہدہ برقرار رکھنا

(قسط دوم)

نظامِ خدا اور ہم!

آقا و غلام برابر، مالک اور نوکر برابر، افضلیت ہے تو تقویٰ کی بنیاد پر، قابلیت کی بنیاد پر، قبولیت کی بنیاد پر۔ پھر بھی ہم ناخوش کیوں؟ نہ عزت، نہ وقار، نہ احترام، فقط جاب، پیسہ، مفادات۔ گھر کا کام کاج بھی اسی کے ذمہ، اور باہر کی دوڑ دھوپ بھی!۔ کون تھے وہ؟۔ جو راتوں کو اٹھ کر اپنے رعایا کی پہریداری کرتے تھے، کہ کہیں میری حکومت میں کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں!۔

مولانا محمد احمد غازی

کی وسعتوں کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ اب اسلام تو ہمیں دنیا و آخرت کی وسعتیں عطا کرے، لیکن ہم پھر وہی دنیا کی تنگیوں پر ہی راضی رہنے کے لئے بضد ہیں۔ کیا اس نظام کے بنیادوں میں سے ایک ”نظامِ عدالت“ ہی ہماری آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی نہیں؟؟ یہاں تو کسی کا کیس ہی تب جا کر پیش ہوتا ہے جب اس کی روح آسمان کو پرواز کر چکی ہوتی ہے، اس کے پوتے پڑپوتوں کو اس کا کیس بھگتنا پڑتا ہے۔ جہاں پیسے دیکر ظالم ”مظلوم“ اور قاتل ”ہمدرد“ بن جاتا ہے، جہاں صدر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے ساتھ کے قاتلوں کو بچالے، یا اپنے خلاف کے مقتولوں کو پھنسا دے۔ ان سب کے بعد بھی اگر ہمارے سروں میں موجود کھوپڑی میں کوئی بات نہ آئے۔ تو! کیا ہم من حیث القوم عقل و شعور سے خالی نہیں؟

بھائیو! اس جمہوری فراڈ کا جو نعرہ (عوامی حکومت) ہے۔ ہم کیوں اس میں پھنس گئے؟ جبکہ اسلام کا تو مقصد ہی یہ تھا جو سیدنا حضرت ربيع بن عامر نے فارس کے سپہ سالار رستم کو کہا تھا، انہوں نے اسلام کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلَى عِبَادَةِ اللَّهِ رَبِّ الْعِبَادِ وَمِنْ جُورِ الْأَدْيَانِ إِلَى عَدْلِ الْإِسْلَامِ وَمِنْ ضَلَالِ الدُّنْيَا إِلَى سَعَةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“۔ ایک صحابیؓ تو اسلام کا مقصد ہی یہ بیان کر رہے ہیں کہ ہم! لوگوں کو لوگوں کی غلامی سے نکال کر لوگوں کے رب کی بندگی میں لانا چاہتے ہیں، اور مختلف ادیان کے ظلم و ستم سے نکال کر اسلام کے نظامِ عدل کی طرف لانا چاہتے ہیں، اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا و آخرت

کیوں ہر بار کوئی ہمیں اپنے جھوٹے دعووں سے بہلا دیتا ہے؟ اور ہم بھی خواب خرگوش کے مزے لینے لگتے ہیں۔ کیوں؟ آخر کیوں ہماری حالت اس پنجرے میں بند کبوتر جیسی ہو گئی ہے؟ جسے کسی شخص نے خریدا کا ندار نے پوچھا کونسا کبوتر چاہیے پالنے کے لئے، یا آزاد کرنے کے لئے؟ اس شخص نے آزاد کرنے کی نیت سے ایک کبوتر خریدا کچھ دیر اسے دانا پانی کھلا کر اسے اڑا دیا وہ کچھ دیر اڑ کر واپس اپنے اسی پنجرے میں جا کر بیٹھ گیا۔ دو تین بار تو اس نے پکڑ کر پھر سے آزاد کر دیا مگر ہر بار وہ جا کر اپنے اسی پنجرے میں بیٹھ جاتا تھا۔ بالآخر اس شخص نے اس کبوتر کی ذہنیت سمجھ لی کہ یہ کبوتر اسی پنجرے کو اپنی گل کائنات سمجھ بیٹھا ہے، اس کے ذہن سے غلامی اور آزادی کا فرق مٹ چکا ہے۔ یا اس نے غلامی ہی کو اپنی آزادی تصور کر لیا ہے۔

ارے بھائی! اسلام ہی تو ہے جس نے ایک امتیٰ کو دنیاوی معاملات میں اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بھی اختلاف رائے کا حق دیا ہے۔ جمہوریت کا جو انسانوں کو ”اظہار رائے کی آزادی“ دینے کا نعرہ ہے، کیا وہ سیدھا سیدھا فراڈ نہیں ہے؟ جمہوری حکمران بھی تو آپ کی طرح انسان ہی ہیں نا؟ لیکن اے میری باشعور قوم! جب کبھی آپ ان کے رائے کے خلاف کوئی ”پُر امن ہی سہی“ لیکن احتجاج کرتے ہیں، تو کیا ان کی طرف سے اظہار رائے کی آزادی کا سارا پول کھل نہیں جاتا؟ کیا وہ آپ کے خلاف اپنی طاقت استعمال نہیں کرتے؟ یا پھر (معاذ اللہ) وہ کوئی استثنائی مخلوق ہیں؟ کہ جن کا ہر فیصلہ (العیاذ باللہ) اٹل ہے۔ ذرا سوچیے تو سہی کیا یہ اللہ رب العزت کی صفتِ خاصہ نہیں ہے؟ اور کیا یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی الوہیت میں مداخلت نہیں ہے؟؟ کہ جیسے ان کی رائے سے اختلاف کرنا ان کے مذہب (آئین) میں حرام ہو۔ ارے بھائی! اسلام ہی تو وہ نظام ہے۔ جس نے آکر غلاموں کو آقا کا بھائی بنا دیا، انکے رہنے، سہنے، کھانے، پینے کی ہر چیز کا خیال رکھنے کا پابند بنایا۔ اسلام ہی تو ہے۔ جس نے عورت کو زندہ درگور ہونے سے بچایا، عورت کو غلامی کی زنجیر سے آزادی دلائی، ماں کے قدموں کے نیچے جنت بتایا، بہن کو محبت بتایا، بیوی کو سکون کا باعث بتایا۔ بیٹی کو رحمت بتایا۔ ارے! اسلام ہی تو ہے جس نے دنیا کو یہ واضح پیغام دیا کہ اگر ہمارے بادشاہ کی بیٹی بھی چوری کرے تو ہم اس میں اور ایک عام سپاہی کی بیٹی میں کوئی فرق نہیں کریں گے، چنانچہ ہمارے بادشاہ کی بیٹی کا ہاتھ بھی کاٹا جائیگا۔ اسلام ہی تو ہے جس

نے قاضی کی عدالت میں غلیفہ وقت (مدعی) اور ایک یہودی (مدعا علیہ) کو ایک ہی کٹہرے میں کھڑا کر دیا۔ سپہ سالار اور ایک عام سپاہی کے لیے قانون کو برابر قرار دیا، امیر المؤمنین کو غلام ساتھ ہونے کے باوجود خود بوری اٹھانے کی تلقین کی۔ غلام اور آقا کا ایک ہی سواری پر باری مقرر کر دیا۔ اسلام ہی تو ہے کہ جس میں اللہ کے نزدیک آقا

اپنے رب کا نظام چھوڑ کر ان کا ظالمانہ و جابرانہ نظام نافذ کئے ہوئے ۶۸ سالوں سے ظلم و جبر کی چکی میں پسے کے باوجود انہی کے دکھائے گئے ”خوشنما سرباب“ کے پیچھے بس دوڑ رہے ہیں۔ بیشک اب تک ہمارے ہاتھ کچھ لگا نہیں، الٹا ہم اپنا سب کچھ لٹا چکے ہیں۔ اپنی عزت، اپنا وقار، قومی غیرت اور شجاعت بھی۔ ہم نے انہیں خوش کرنے کے لئے کیا کیا نہیں کیا؟ کیسے کیسے پاپڑ نہیں بیلے۔

وغلام برابر، مالک اور نوکر برابر، افضلیت ہے تو تقویٰ کی بنیاد پر، قابلیت کی بنیاد پر، قبولیت کی بنیاد پر۔ پھر بھی ہم ناخوش۔ کیوں؟ آخر کیوں؟؟ اسلام تو عورت کو ہیرا بتائے، اسے محفوظ رکھنے کی بات کرے، گھر کی ملکہ بتائے، گھر کا سکون ٹھہرائے، عزت و وقار بتائے۔ مگر اس پر ناخوش۔ کیوں؟ جبکہ جمہوریت نے عورت کو آزادی کی نام پر کسی ہوٹل میں waiter، بیرا، ”نامحرم نگاہوں کے لئے تسکین“ بنادیا۔ کسی انیورپورٹ، کسی آفس پر، استقبالیہ receptionist، ”نامحرم نگاہوں کے لئے قرار“

پر متعین کر دیا۔ کسی کمپنی میں ملازمت ”نامحرم لوگوں کے لئے گپ شپ“ کا باعث بنادیا۔ کسی fivestar، ہوٹل میں کھانا پکانا غیروں کے لئے۔ نہ عزت، نہ وقار، نہ احترام، فقط جاب، پیسہ، مفادات۔ گھر کا کام کاج بھی اسی کے ذمہ، اور باہر کی دوڑ دھوپ بھی۔ جبکہ یہی سارے کام اگر وہ کرے اپنوں کے لئے۔ استقبال شوہر کا۔ مسکرا کر، welcome، خوش آمدید، گھر والوں کو۔ ”نہ کہ چینی و امریکی صدور کو“، تابعداری شوہر کی۔ اسکے کان اپنی تعریف میں دو بول سنے تو ”اپنے شوہر“ سے۔ پھر اسکی عزت کا رکھو الا اس کا شوہر وہ مان اپنے بھائیوں کی، وہ شان اپنے باپ کی، وہ رانی اپنے گھر کی، اس کے بچوں کی جنت اس کے قدموں کے نیچے، وہ دل کا قرار اپنے شوہر کے لئے، وہ بیٹی اپنی ساس کی، وہ چیمٹی بہن اپنی نند کی، اسپر پڑنے والی نگاہیں، پاکیزہ اور بااجز۔ ”نہ کہ بااجرت“۔ اسکا بچپن ماں باپ کی شفقت کے سائے تلے، نہ کہ ”Boarding school“ اسکی جوانی کے محافظ و سائبان اسکے بھائی، نہ کہ ”باڈی گارڈ“ اس کا بڑھاپا اپنے ہی گھر میں اپنے بچوں، پوتوں، پڑپوتوں کے ساتھ۔ ”نہ کہ اس کا مقدر کوئی اولڈ ہوم“۔ اسے حاصل اعتماد گھر بھر کا، اسے محبت حاصل گھر بھر کی، اسپر بھروسہ، اسکی چاہت۔ یہ سب کچھ۔ لیکن پھر بھی ہم مغرب کی اُسی ”تاریک“ آزادی کے پیچھے دوڑتے ہیں جس سے وہ خود تنگ آچکے ہیں۔ جہاں اب کوئی عورت نہ اپنے باپ کے ہاتھوں محفوظ ہے نہ اپنے بھائی کے ہاتھوں۔ خدارا! اُس نظام کے پیچھے نہ بھاگیں، اپنے رب سے بغاوت نہ کریں۔ ”کہ جدا ہودین

سیاست سے، تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔ اسلام نے تو کفار کی مشابہت سے بھی منع کر دیا ہے اور ہم یہاں اپنے رب کا نظام چھوڑ کر ان کا ظالمانہ و جابرانہ نظام نافذ کئے ہوئے ۶۸ سالوں سے ظلم و جبر کی

اسلام کے ریڈ گنل کہیں نظر آرہے ہیں۔ خدارا اب بھی وقت ہے اس گاڑی سے اتر پڑو یہ گاڑی امریکہ و یورپ کی طرف تو جائیگی۔ لیکن سوچو تو سہی کیا ہمیں اپنے رب سے دور نہ کر دیگی؟؟ آؤ اس

جب تک ہم بھی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہے، آدھی سے زیادہ دنیا پر حکومت کرتے رہے۔ اور آج ہماری صورتحال ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں وہ نظام لانا ہوگا عزت والا نظام جو ہمیں ہمارے رب تعالیٰ نے دیا، جو نظام ہمارے دین کے ستاروں کا تھا

چکی میں پسے کے باوجود انہی کے دکھائے گئے ”خوشنما سراب“ کے پیچھے بس دوڑ رہے ہیں۔ بیشک اب تک ہمارے ہاتھ کچھ لگا نہیں، الٹا ہم اپنا سب کچھ لٹا چکے ہیں۔ اپنی عزت، اپنا وقار، قومی غیرت اور شجاعت بھی۔ ہم نے انہیں خوش کرنے کے لئے کیا کیا نہیں کیا؟ کیسے کیسے پاڑ نہیں بیلے۔ حتیٰ کہ اپنی بیٹیاں تک بیچ دیں پھر بھی ہمیں ڈالروں کے سوا اور کچھ نہ ملا۔ کیوں؟ کیا ہم کہیں اللہ رب العزت کا فرمان تو نہیں بھلا بیٹھے؟ یاد کرو کیا اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہیں فرما دیا: ”وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ ذُو لَا النَّصْرَىٰ حَتَّىٰ تَبْغِيَ مِلَّتَهُمْ“ (سورۃ البقرہ، ۱۲۰) اے مسلمانوں: یہ یہود و نصاریٰ تم سے راضی نہیں ہونگے جب تک کہ تم ان کے دین کو نہ قبول کرلو۔ مگر پھر بھی! ہم اللہ تبارک و تعالیٰ کے تنبیہ کو بھلا کر اس امید پر ان کے پیچھے دوڑ رہے ہیں کہ شاید یہیں کہیں منزل مل ہی جائے۔ نہ میرے بھائیو!!! ہم من حیث القوم غلط گاڑی پر سوار ہیں جو ہمیں لئے غلط روٹ پر ”شاہ سے بڑھ کر شاہ سے وفا داری کے چکر میں“ بس دوڑی جا رہی ہے۔ نہ اسے کھڈے نظر آرہے ہیں، نہ کہیں وہ اسپید بریکر کی پرواہ کر رہا ہے، نہ ہی اسے

سے پہلے کہ ”ہماری داستاں تک نہ رہے داستاںوں میں“ اپنی منزل کا تعین کر لیں۔ لیکن وہ منزل کیا ہے؟ اس کے لئے گاڑی کہاں سے ملے گی؟ ڈرائیور کون ہوگا؟ ان سب کے لئے ہمیں وہ کام کرنا غور و فکر کرنا ہوگا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرتوں پر، اللہ رب العالمین کی کتاب پر، رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنتوں پر ان کے دورِ خلافت (خلافتِ راشدہ) پر۔ آئیے ہم سب مل کر غور کرتے ہیں! مہینوں، سالوں کا پتہ چلانے کے لئے ہم کسی ماہر فلکیات سے رابطہ کرتے ہیں، کسی پہاڑ کی چوٹی سر کرنے کے لئے ہم کوئی ماہر ”Guide“ ڈھونڈتے ہیں، اندھیری رات میں راستوں کے تعین کے لئے ہم کسی فلکیات شناس کی رائے لیتے ہیں، غرضیکہ ہم ہر کام میں اس فیلڈ سے متعلق کسی نہ کسی ماہر کی رائے ضرور لیتے ہیں۔ راستوں کے تعین کے لئے ہم ستاروں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ آئیے جانتے ہیں کہ اس دین کے ستارے کون ہیں؟ کون ہیں وہ؟ جو پوری دنیا پر حکومت کر گئے۔ کون ہیں وہ لوگ؟ جن کے دورِ عہد میں بکری اور بھیڑ یا ایک ہی

گھاٹ پر پانی پیتے تھے۔ کون تھے وہ؟ جو زمین پر درہ ماریں کہ کیا میں تجھ پر انصاف نہیں کرتا، تو زمین پر آنے والا زلزلہ رک جاتا ہے۔ کون تھے وہ؟ جو راتوں کو اٹھ کر اپنے رعایا کی پہریداری کرتے تھے، کہ کہیں میری حکومت میں کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں۔ تو نبی مہربان ﷺ نے فرمایا: ”أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بَابِهِمْ أَقْتَدَيْتُمْ إِيَّاهُمْ“ میرے صحابہ کرام ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا دیا ہوا نظام جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے دور میں نافذ کر کے دکھایا۔ جب تک ہم بھی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہے، آدھی سے زیادہ دنیا پر حکومت کرتے رہے۔ اور آج ہماری صورتحال ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں وہ نظام لانا ہوگا عزت والا نظام جو ہمیں ہمارے رب تعالیٰ نے دیا، جو نظام ہمارے دین کے ستاروں کا تھا۔ ذرا اپنے قرب و جوار میں بھی نظر دوڑائیے ہو سکتا ہے کہیں ماضی قریب میں کوئی گاڑی آپ کو نظر آ ہی جائے۔ کوئی ڈرائیور مل ہی جائے۔ آئیے منزل کی جانب دوڑیں، کہیں گاڑی نکل نہ جائے؟ قافلہ چھوٹ نہ جائے؟ اپنے رب سے دور۔۔ دور۔۔ اور دور۔۔۔ نہ ہوتے چلے جائیں۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہ رہیے، کچھ سوچیے، کچھ کیجیے، سوچ سمجھ کر قدم اٹھائیے۔ لیکن اٹھائیے ضرور!! آئیے اپنی منزل پر جانے کی گاڑی پکڑیں، اس میں سوار ہو جائیں، خود بھی ہوشیار رہیں، ڈرائیور کو بھی ہوش باش رکھیں، کہیں پھر کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔ اللہ ہمارا اور آپکا حامی و ناصر ہو!!!

خالد بن ولید

آسٹین کے سانپ

All NGOs In Pakistan

DAHW
Deutsche Lepa- und
Tuberkulosehilfe e.V.

welt
hunger
hilfe

Caritas International
DAS HILFswerk DER DEUTSCHEN CARITAS
terre des hommes
Hilfe für Kinder in Not

Rotes
Kreuz



Save the Children

ADRA

peed
Evangelischer
Entwicklungsdienst

DIE JOHANNITER
Aus Liebe zum Leben

لیے ایسے بندوں کو داخل کر کے اپنا کام لیا۔ پاکستان کو عدم استحکام کا شکار کرنے اور داخلی و خارجی سطح پر ناکام ترین ریاست بنانے میں سب سے اہم کردار ان مغرب زدہ ملک دشمن این جی اوز کا کردار دیگر معاملات کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ این جی اوز نے ملکی قوانین کی نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر پاکستان کو عدم استحکام کا شکار کیا۔ اگر آپ بغور اس مسئلے کی باریکی میں جائیں گے تو خود بخود ساری سازشوں کے تانے بانے آپ کے سامنے کھلتے چلے جائیں گے۔ جن میں کسی ناکسی طرح کوئی ناکوئی این جی اوز ملوث پائی جائے گی۔ آج پورے ملک کے الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا پر این جی اوز کی منفی سرگرمیوں کا شور ہے اور مسلسل وزارت داخلہ کی طرف سے اعلانات نشر کیے جا رہے ہیں کہ این جی اوز کے خلاف باقاعدہ کارروائی کی جا رہی

مشاہدہ اور تجربہ کر چکی تھی کہ کس طرح متحدہ ہندوستان اور برطانیہ نے ملکر قیام پاکستان کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ جس کے باعث لاکھوں لاشوں کو عبور کر کے پاکستان حاصل کرنا پڑا۔ اب دشمن کی اس عیاری اور مکاری کو سامنے رکھتے ہوئے ہماری قیادت کو آئندہ کی پالیسی اور مضبوط لائحہ عمل تیار کرنا چاہیے تھا۔ مگر افسوس صد افسوس اس بات پر ذرا توجہ نہ دی گئی اور اقتدار کی رسہ کشی کے بھیانک کھیل میں ہم اصل مقصد سے غافل ہو گئے۔ جس کے باعث غلط قوانین اصل مقصد سے انحراف اور ملک و قوم و مذہب و ملت کی ہمدردی کا اصل جذبہ ہمارے اندر سے نکلا اور ملک پاکستان دشمن کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گیا۔ الغرض ہماری اجتماعی بے حسی نے ہر سطح پر ملکی مفادات کو نقصان پہنچایا اور ہر شعبے میں دشمن نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے

پاکستان اپنے قیام کی ابتداء سے ہی دشمن کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔ جب سے پاکستان بنا ہے اس کے خلاف ہر محاذ پر دشمن نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس ملک کو عدم استحکام کا شکار کرنے کے لیے سازشوں کے جال بچھائے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے اس ملک میں آج تک نفاذ اسلام کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا۔ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں اقتصادی، معاشی، معاشرتی، داخلی و خارجی ہر سطح پر دشمن نے اتنی عیاری اور ہوشیاری کے ساتھ منصوبہ بندی کر کے اپنی خواہشات کو عملی جامہ پہنایا ہے جس پر حیرت ہوتی ہے۔ حالانکہ قیام پاکستان کے وقت کی قیادت اس بات کا بخوبی علم رکھتی تھی کہ دشمن ملک پاکستان کا وجود ایک لمحے کیلئے برداشت کرنے کو تیار نہیں اور بذات خود اس وقت کی اس بات کا

ہے۔ پاکستان میں سینکڑوں این جی اوز ایسی ہیں جو ملک دشمن منفی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ انہیں دیر سے آیا درست آیا کہ مصداق وزارت داخلہ کی اس کوشش پر ہم انہیں مبارکباد دیتے ہیں کہ چلو اس مسئلے کی دیر سے سمجھ آئی پر آئی تو سہی۔ لیکن ملک کا محب طبقہ پہلے دن سے اس تشویش میں مبتلا تھا کہ این جی اوز کی سرگرمیاں ملکی قوانین کے منافی ہیں۔ محترم قارئین این جی اوز نے جس طرح دشمن ملک کی پالیسیوں کو پروان چڑھایا ہے وہ سب پر واضح ہے۔ جن میں چند ایک پر سرسری نظر ڈالتے ہیں۔

1۔ اخلاقی بے راہ روی اور بے حیائی۔ مختلف شہروں میں آزادی کا نام پر مخلوط محافل کا انعقاد اور غیر اخلاقی سرگرمیوں کی مالی امداد کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اسلام آباد اور دیگر شہروں میں کئی دفعہ ایسے واقعات سامنے آئے ہیں جس میں بے حیائی اور فحاشی کی مخلوط محافل کا انعقاد کیا گیا۔ جس پر شورا اٹھا تو تحقیق پر کسی نا کسی این جی او کا نام سامنے آیا۔ مختار اس مائی کا واقعہ پوری قوم کے سامنے ہے کہ کس طرح ایک عام عورت کو گھر سے اٹھا کر اس مسئلے پر ہرزہ سرائی کر کے پورے ملک کو بے حیا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی بلکہ کئی بار سننے میں آیا۔۔ سگی۔۔ نام کی این جی او جو بظاہر ڈویلپمنٹ کے کام کا نعرہ لگاتی ہے۔ اس مقصد کے تحت کام کر رہی ہے کہ ملک میں ہم جنس پرستی کی کھل کر اجازت دی جائے۔

2۔ عورت کے حقوق کا نام پر بے پردگی۔ ملک میں اکثر این جی اوز سڑکوں پر پلے کارڈ اٹھا کر ڈھنڈورا پیٹتی نظر آتی ہیں کہ ہم عورتوں کے حقوق کی محافظ ہیں حالانکہ حقیقت میں دیکھا جائے تو عورتوں کو جنس بازار بنانے اور فحاشی کی راہ پر لگانے والی یہی این

جی اوز ہیں۔ 2005 کے زلزلے میں راقم الحروف نے خود دیکھا کہ این جی اوز کو ملازمین کی ضرورت پڑی تو انھوں نے ڈبل تنخواہیں ادا کر کے صرف نوجوان لڑکیوں کو منتخب کیا۔ حالانکہ ان کے متبادل ان سے بڑھ کر تعلیم یافتہ نوجوان موجود تھے۔ اور مسلسل ملازمت کے لیے ان کے دروازوں پر چکر لگاتے تھے۔ لیکن ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ اور پوری کوشش کر کے عورتوں کو مخلوط ماحول فراہم کیا گیا۔ ان صفحات میں جگہ کی کمی کے باعث

ڈاکٹر شکیل آفریدی کا مسئلہ ہر پاکستانی

کے علم میں ہے۔ کہ اس ننگ دین،

نگ ملت، ننگ وطن شخص نے اہل کفر

کے لیے جو کارنامہ سرانجام دیا اس کا

معاوضہ بھی سیودی چلڈرن نامی تنظیم

نے ادا کیا۔

میں وہ واقعات درج نہیں کرتا کہ جو میرے حافظے پر نقش ہیں کہ کس طرح ان این جی اوز نے امداد کے نام پر نوجوان خواتین کو بے حیائیت کی جدوجہد کی۔ اس میں ایک حد تک کامیابی بھی حاصل کی۔

3۔ پاکستان دشمنی۔ ڈاکٹر شکیل آفریدی کا مسئلہ ہر پاکستانی کے علم میں ہے۔ کہ اس ننگ دین، ننگ ملت، ننگ وطن شخص نے اہل کفر کے لیے جو کارنامہ سرانجام دیا اس کا معاوضہ بھی سیودی چلڈرن نامی تنظیم نے ادا کیا۔ جو بچوں کی امداد کے روپ میں عرصہ دراز سے پاکستان میں کام کرتی آرہی ہے۔ جبکہ کئی مرتبہ اس کا بات کا ثبوت منظر عام پر آچکا ہے کہ یہ امریکن سی آئی اے کے لیے کام کرتی ہے۔

بلکہ میں تو کہوں گا کہ امریکن سی آئی اے اس نام سے پاکستان میں کام کر رہی ہے۔ حالانکہ سیودی چلڈرن کا ایک ملک دشمن منصوبہ طشت از بام ہوا ہے جو خفیہ جاری ہوں گے انکا کسی کو علم نہیں۔

4۔ پاکستان کو نا کام ریاست ثابت کرنا۔۔۔ ملالہ یوسف زئی اقلیتوں کے حقوق کا شور مختاراں مائی یوسف کذاب یہ وہ نام ہیں جو میڈیا پر آپ نے ضرور سنے ہوں گے۔ ملالہ کی امریکن اتھنٹی میڈیا بار بار واضح کر چکا ہے۔ مختاراں مائی کا معاملہ بین الاقوامی سطح پر اٹھایا گیا۔ بی بی سی نے اس کو آڑ بنا کر پورے پاکستان کو زانی ثابت کرنے کا ڈھنڈورا پیٹا اور یوسف کذاب وہ ملعون شخص تھا۔ جس نے نعوذ باللہ نبوت کا دعوہ کیا جب ملکی قانون کی گرفت میں آیا پورا مغرب اس کو بچانے کے لیے سرگرم ہو گیا۔ میڈیا میں ان سب کو مظلوم ثابت کرنے اور انھیں صاحب کردار ثابت کرنے کے لیے پورے ملک میں این جی اوز شور کرتی رہیں۔ اور انسانی حقوق کا ڈھنڈورا پیٹ پیٹ کر پاکستان کو بدنام کرنے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ محترم قارئین یہ تو چند ایک حقائق آپ کے سامنے آئے ہیں کہ کس طرح این جی اوز نے بظاہر خوشنما نعرے لگا کر ہمارے ملک میں بے حیائی بے راہ روی اور ملک دشمنی کا بیج بویا اور آج پورا ملک عدم استحکام کا شکار ہو کر معاشرتی و معاشی مسائل کی آگ میں جل رہا ہے۔ حکومت پاکستان کو اگر آج سمجھ میں آیا ہے تو ابھی وقت بھی ہے۔ کراچی سے لیکر کشمیر تک ان کی تمام سرگرمیوں کو چیک کیا جائے۔ یہ لوگ انسانی حقوق کی آڑ اور فلاح و بہبود کا خوشنما نعرہ لگا کر ملک کی بنیادیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ بقیہ صفحہ (19) پر

عید الفطر المبارک

مولانا محمد صدیق مدنی - چمن

عید الفطر کے حوالے سے ایک جامع اور پر مغز تحریر

عید الفطر تہذیب و شائستگی کا جشن، زندگی کی اعلیٰ اقدار اور عظیم روایت کی علامت و نشانی ہے۔ یہ دن تقویم عیسوی کے مطابق 27 مارچ ۲۰۲۶ء/ یکم شوال المکرم ۱۴۴۷ھ سے منایا جا رہا ہے جسے سب سے پہلے محسنِ انسانیت، مفرجِ موجودات، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جانِ نثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر منایا تھا اس وقت آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۵۲ سال ۶ ماہ ۰۲ یوم تھی۔

ابن حبان کے مطابق ہجرت کے دوسرے سال جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر کی شان دار فتح کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس کے آٹھ دن بعد عید الفطر منائی گئی۔

عید الفطر کا دن بڑا ہی مبارک و مسعود اور پر عظمت دن ہے جس میں خالق کو نین جل شانہ نے بہشت بریں کو پیدا فرمایا، طوبیٰ کا درخت اس میں نصب فرمایا، جبریل امین کو پیغامِ خداوندی لے جانے

کے لیے عید کا روز منتخب فرمایا، فرعون کے جادو گروں نے اسی دن پیغامِ ہدایت پا کر نورِ ہدایت سے قلوب کو منور کیا، اور اللہ نے انھیں بخش دیا۔ یہ دن روزہ داروں کے لیے مسلسل مجاہدہ اور نفس کشی کے بعد انعام و اعزاز کے طور پر اپنے دامن میں ہزاروں مسرتوں، شادمانیوں اور خوشیوں کا پیغام لے کر جلوہ گر ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو اس کا نام آسمانوں پر لیلیۃ الجائزہ انعام کی رات سے لیا جاتا ہے اور جب صبح عید طلوع ہوتی ہے تو حق تعالیٰ جل شانہ فرشتوں کو تمام بستیوں میں بھیجتا ہے اور وہ روئے زمین پر اتر کر تمام کوچوں اور شاہ راہوں کے سروں پر ایستادہ ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے جسے جنات اور انسانوں کے سوا ہر مخلوق سماعت کر لیتی ہے پکارتے ہیں کہ: ”اے امتِ محمدیہ اس

کریم رب کی بارگاہِ کرم میں چلو جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے، جب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں تو رب العزت جل شانہ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو؟ وہ عرض گزار ہوتے ہیں کہ ہمارے معبود اور ہمارے مالک اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری اور اجرت پوری پوری عطا کر دی جائے تو مالک کون و مکاں جل شانہ ارشاد فرماتا ہے کہ: ”اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا فرمادی اور بندوں سے خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ: ”اے میرے بندو! مجھ سے مانگو میری عزت و جلال اور بلندی کی قسم! آج کے دن اپنے اجتماع میں اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے عطا کروں گا، دنیا کے بارے میں جو سوال کرو گے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا، میرے عز و جلال کی قسم! میں تمہیں مجرموں اور

کافروں کے رو بہ رو رسوا نہ کروں گا میں تم سے راضی ہو گیا۔“ فرشتے اس اجر و ثواب کو دیکھ کر جو عید الفطر کے روز امت محمدیہ کے لیے ارزاں کر دیا جاتا ہے مسرور و شادماں ہوتے ہیں اور فرحت و انبساط کے ساتھ خوشیاں مناتے اور کھل جاتے ہیں (الترغیب والترہیب) خوشی و مسرت، فرحت و شادمانی اور بابرکت و پرمسعود موقع پر خداوندِ قدوس جل جلالہ کے نزدیک اس کی خوشی، خوشی نہیں جو ضرورت مندوں، بے کسوں، ناداروں، محتاجوں، بیواؤں، یتیموں، تنگ دستوں اور فاقہ مستوں کو فراموش کر کے بزمِ نشاط و انبساط سجاتا ہو آج سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ ضرورت مند، تنگ دست، پریشان اور مفلوک الحال لوگوں کو تلاش کر کے ان کی حاجت روائی کی جائے محبوب سبحانی حضرت سیدنا غوث اعظم عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ عید کی اصل روح اور حقیقت بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں: ”عید ان کی نہیں جنھوں نے عمدہ لباس سے اپنے آپ کو آراستہ کیا بلکہ عید تو ان کی ہے جو خدا کی عید اور پکڑ سے بچ گئے اور اس کے عذاب و عتاب سے ڈر گئے، عید ان کی نہیں جنھوں نے بہت زیادہ خوشیاں منائیں بلکہ عید تو ان کی ہے جنھوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور اس پر قائم رہے، عید ان کی نہیں جنھوں نے بڑی بڑی دیگیں چڑھائیں اور دسترخوان آراستہ کیے بلکہ عید تو ان کی ہے جنھوں نے مقدار بھر نیک بننے کی کوشش کی اور سعادت حاصل کی عید ان کی نہیں جو دنیاوی زیب و زینت اور آرائش و زیبائش کے ساتھ گھر سے نکلے بلکہ عید تو ان کی ہے جنھوں نے تقویٰ، پرہیزگاری اور خوفِ خدا اختیار کیا۔ عید ان کی نہیں

جنھوں نے اپنے مکان پر چراغاں کیا بلکہ عید تو ان کی ہے جو دوزخ کے پل سے گزر گئے۔“ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو زمانہ خلافت میں لوگ عید کی مبارک باد دینے لگے تو دیکھا کہ امیر المومنین خشک ٹکڑے تناول فرما رہے ہیں، کسی نے کہا حضور! آج تو عید کا دن ہے؟ یہ سن کر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سرد آہ بھری اور فرمایا: ”

دیگر مذاہب کے مقابلے میں صرف اسلام ہی وہ عظیم مذہب مہذب ہے جو عملی زندگی میں اخوت و مساوات کو حقیقی اور عملی بنیادوں پر قائم رکھتا ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ و نسل، حسب و نسب اور قومیت کے تمام امتیازات کو سختی سے مٹا دیا ہے۔ اسلام کی بنیاد ہی اخوت اور مساوات پر قائم کی گئی

جب دنیا میں ایسے بہت سے لوگ موجود ہوں جن کو یہ ٹکڑے بھی میسر نہیں تو ہمیں عید منانے کا کیوں کر حق حاصل ہے؟“ پھر فرمایا: ”عید تو ان کی ہے جو عذابِ آخرت اور مرنے کے بعد کی سزا سے نجات پا چکے ہیں۔“ دین اسلام اخوت و اجتماعیت اور اتحاد و داد کا درس دیتا ہے اخوت و اجتماعیت کا رنگ و آہنگ اسلامی شعائر و عبادات کا خاصہ ہے کہ تمام عبادات کی روح اخوت و مساوات سے ہم رشتہ ہے۔ اخوت و مساوات انسانی کی اسی اہمیت و عظمت کا اظہار محسنِ انسانیت سیدِ عرب و عجم مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ/ ۶۲ مارچ ۶۳۶ء بروز جمعہ کو میدانِ عرفات میں فرمایا تھا۔ جہاں عرب کے گوشہ گوشہ

سے جاں نثارانِ نبوت و فداکارانِ سرورِ کائنات شرف ہم رکابی اور جمالی جہاں آراے محبوب بے مثال صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے جذبہ لافانی کے تحت اٹھ پڑے تھے۔ تاحد نظر انسانوں کا ایک موجیں مارتا سمندر نظر آتا تھا، انسانی تاریخ کے ان بے مثل پروانوں اور بے نظیر فداکاروں سے جن کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار نفوسِ قدسیہ پر مشتمل تھی مقرر موجودات، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فصاحت و بلاغت کے ساتھ وہ عظیم الشان اور تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرمایا جو ”خطبہ حجۃ الوداع“ کے نام سے موسوم ہے اور جسے اس کی تاریخی اہمیت، قدر و منزلت اور جلالتِ شان کے باعث ”حجۃ الاسلام، حجۃ البلاغ، حجۃ التمام، اور حجۃ الکمال“ کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے اس تاریخ ساز اجتماع اور عظیم الشان خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”لوگو! تمہارا رب ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے سب ایک آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے تھے نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری ہے نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے نہ سیاہ فام سرخ فام پر فوقیت رکھتا ہے نہ سرخ فام سیاہ فام پر، فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ پر ہے۔“ اسلامی اخوت و اجتماعیت کا حقیقی رنگ اور عملی تصویر عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مساواتِ انسانی کے سب سے بڑے علم بردار تاجِ دارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گہر بار میں بھی دیکھی جاسکتی ہے کہ جہاں عداسِ نینوائی، صہیب رومی، زوالکاح حمیری، ابوسفیان اموی، کرز فہری، بلال حبشی، سلمان فارسی، عدی طائی، ابوذر غفاری، ابو حارث مصطفیٰ، طفیل دوسی، شامہ نجدی، ابو عامر اشعری، سراقہ مدلجی وغیرہم پہلو بہ پہلو بیٹھے

بقیہ: آستین کے سانپ

اس پر انھیں ملک کے اندر رہنے والے نام نہاد بیوروکریٹس اور ان کی بیویاں جوان این جی اوز کے لیے ڈھال کے طور پر کام کرتے ہیں۔ انکا بھی محاسبہ کرنا چاہیے۔ ملک کے حساس ترین شعبوں میں خدمات سرانجام دینے والے کسی افسر کی بیوی کسی امریکی یا برطانوی این جی او کی ڈائریکٹر ہو گی۔ تو ظاہر ہے ملک میں عدم استحکام تو پیدا ہوگا۔ ہمارے ملک میں مذہبی طبقے پر جس طرح قانون فوراً حرکت میں آجاتا ہے اور کارروائی کی جاتی ہے۔ تو این جی اوز کے خلاف ایسی کوکونی قیامت آجاتی ہے کہ ان کی واضح ملک دشمن پالیسی دیکھ کر بھی کارروائی نہیں کی جاتی۔ اب وزارت داخلہ نے بھی اگر خالی بیانات سے کام چلانے کی کوشش کی تو یہی این جی اوز اللہنا کرے بگلہ دیش کی طرح کسی نئے ایجنڈے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ لہذا حکومت ایسی تمام این جی اوز کو دیس نکالا دے جن کی منفی سرگرمیاں سامنے آچکی ہیں۔ کیونکہ خالی خولی معافی دینے یا تنبیہ سے یہ معاملہ حل ہونے والا نہیں۔ کیونکہ چور چوری سے جائے پر ہیرا پھیری سے نہ جائے۔ یہ لوگ نئے نام اور نئے لیبل کے ساتھ کسی نئی سازش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور پھر پتہ تب چلتا ہے جب تشکیل آفریدی جیسے اپنا کام کر چکے ہوتے ہیں۔ لہذا بلا تفریق بغیر کسی اوپر کی کال کے ملکی مفادات کو سامنے رکھ کر مغرب زدہ این جی اوز پر پابندی لگانی چاہیے۔ تاکہ ملک دشمن قوتوں کی سازشوں کا سد باب ہو سکے اور ہمارا ملک پاکستان مستحکم اور خوشحال پاکستان بن سکے۔

خواہ اس کا تعلق کسی قوم یا قبیلہ سے ہو ایک ساتھ شریک عبادت ہے سجدہ ریزی میں مصروف ہے اس موقع پر حاکم و محکوم کا کوئی امتیاز ہی نہیں ہوتا دوسری طرف نماز کی ادائیگی سے قبل صدقہ فطر کی تقسیم کا حکم ہے تاکہ تنگ دست اور مفلوک الحال بھی ضروریات زندگی کی تکمیل کے ساتھ عید کی خوشیوں اور مسرتوں میں شریک ہو سکیں کیوں کہ حقیقی خوشی کا حاصل غم زدوں کی زندگیوں میں خوشیوں کو عام کرنا ہے اور انھیں مسرتوں سے مالا مال کرنا ہے گویا یہ بھی اخوت و اجتماعیت کا اظہار ہے کہ امیر و غریب کے سارے امتیازات کا خاتمہ ہو جائے۔ آج دنیا ایک ایسی عالم گیر برادری کی متلاشی ہے جس میں آدمی کے درمیان امتیاز نہ رہے نسل و رنگ کا فرق نہ رہے جس میں امیر و غریب، حاکم و محکوم، شاہ و گدا سب کو یکساں حقوق و مراعات حاصل ہوں جس میں تمام انسانوں میں اخوت و بھائی چارگی کا قیام عمل میں آئے تمام انسانوں میں اتحاد و اتفاق قائم رہے امن و دوستی، رواداری اور صلح و آشتی کا بول بالا ہو اور کوئی بھی فرد کسی کے حقوق کی پامالی نہ کرے، دہشت گردی سے دنیا کو نجات ملے تو اس سلسلے میں جب تک اقوام عالم حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے مقدس دین اسلام کی تعلیمات سے رہ نمائی حاصل نہیں کرے گی وہ ایسی تبدیلی نہیں پیدا کر سکتی سچ تو یہ ہے کہ رسول کائنات ﷺ کے دامن رحمت سے وابستگی اور آپ کی عظمت و رفعت کو تسلیم کیے بغیر اخوت و اجتماعیت کا تصور ناممکن ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سیرت طیبہ سرتاسر انسانیت کے لیے رہنما کے کامل ہے۔

اسلامی اخوت و اجتماعیت کی عملی تصویر نظر آتے تھے اور ہر فرد اپنے ملک و قوم اور قبیلہ کی نمائندگی کر رہا تھا اور یہ وہ عملی حقیقت ہے جس کا اعتراف غیر مسلم دانش وروں کو بھی ہے چنانچہ Muhammed The prophet کے مصنف لکھتے ہیں ”عالمی اخوت اور انسانی مساوات کا اصول جس کی تبلیغ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی وہ انسانیت کی سماجی ترقی میں مرکزی مقام رکھتے ہیں پیغمبر اسلام نے اس نظریہ کو حقیقی عملی روپ میں پیش کیا اس کی اہمیت شاید کچھ دنوں بعد پوری طرح سمجھ میں آجائے گی جب بین الاقوامی طاقت و نظریہ وجود میں آئے گا۔“

دیگر مذاہب کے مقابلے میں صرف اسلام ہی وہ عظیم مذہب مہذب ہے جو عملی زندگی میں اخوت و مساوات کو حقیقی اور عملی بنیادوں پر قائم رکھتا ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ و نسل، حسب و نسب اور قومیت کے تمام امتیازات کو سختی سے مٹا دیا ہے۔ اسلام کی بنیاد ہی اخوت اور مساوات پر قائم کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی اخوت اور مساوات کا کوئی دوسرا مذہب مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ درس دیتا ہے کہ عقیدے کی سلامتی اور درتگی کے ساتھ مل جل کر رہنے ہی میں دونوں جہاں کی عافیت اور سرخ روئی ہے۔ عید الفطر کا تہوار وسیع پیمانے پر اخوت اور بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔ اور عید کے اجتماعات امت مسلمہ کی اخوت و اجتماعیت اور عالم گیر مسلم برادری کا دل کش اور عملی منظر پیش کرتے ہیں۔

چنانچہ ان اجتماعات میں حاکم و محکوم، دولت مند و حاجت مند، غنی و گدا، تاج دار و چوب دار، فرماں روا و بے نوا، نیاز مند و دردمند، عالم و عامی مسلمان

سیرت رسول ﷺ

میں سادگی کے تابندہ نقوش

مفتی محمد مجیب الرحمن

ہے، لیکن زہد اختیاری جس میں اعتدال پنہاں ہو، جو درحقیقت مُسرفانہ زندگی سے بے زارگی کا اظہار ہو، اس میں قلب و زبان صبر و شکر کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں، ان مواقع پر انسانی زبان توکل سے مزین ہوتی ہے، الغرض آپ ﷺ کا زہد اختیاری تھا۔

آپ ﷺ کا بچھونا:

جب انسانی جسم راحت کا عادی ہو جائے تو اسے آزمائشی و امتحانی ادوار سے گذارنا بڑا شاق ہوتا ہے، تکلیف و مشقتیں جھیلنا بڑا گراں گذرتا ہے، جس کی بناء پر مصائب میں الجھ کر مسکرانا اس کے لئے دشوار ہوتا ہے، راحت جسمانی کیلئے ایک بچھونا و بستر بھی ہے، آپ ﷺ کے بچھونے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے حضرت ابن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں، ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایسی چٹائی پر آرام کیا جس کی بناء پر آپ ﷺ کے جسم مبارک پر کچھ نشانات آ گئے، ابن مسعودؓ سے رہانہ گیا اور کہا کہ اگر

نقوش ثبت کر گئے، جن میں اہل دنیا کیلئے راہِ عمل ہے، کہ جسے اپنا کر ایک مسلمان اپنی اخروی زندگی سدھار سکتا ہے، بجائے اس کے کہ ہم آپ ﷺ کی زہدانہ زندگی کے ان اہم واقعات کو اپنی زندگی کیلئے عملی نمونہ بناتے، اور اعمال کی انجام دہی میں یہ واقعات ہمارے لئے ہمیز کا کام دیتے ہم نے انہیں قصہ کہانی کے طور پر استعمال کیا اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان واقعات کو عملی تحریک کا ذریعہ بنائیں، جب زندگی حالات سے دوچار ہو تو ان واقعات کے استحضار سے اپنے قلب و دماغ کو صبر و شکر کا عادی بنائیں۔ ویسے تو آپ ﷺ کی کل زندگی ہی روشن ابواب پر مشتمل ہے، انہیں میں ایک اہم اور روشن باب آپ ﷺ کی زہدانہ زندگی کا ہے، ایک تو یہ کہ انسان زہد انہ زندگی کا اضطراباً شکار ہو جائے، جو زہد اضطرابی ہو اس میں زبان شکایات سے لبریز ہوتی ہے، ہر دم شکوئے شکایات اور اپنی قسمت کو کوسا جاتا

آج ہر طرف سامانِ دنیا کی ریل پیل ہے، ہر کوئی عیش کوشی کا متمنی، ہر ایک دنیوی زندگی سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کا خواہاں، ہر شخص سامانِ عیش و عشرت کا طلب گار، ہر کوئی دنیوی آسائش میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا خواہاں، امیر ہو کہ غریب ہر کوئی اسی فکر میں مست و مگن ہے کہ کیسے اسباب دنیا وسیع ہوں؟ نیز کیسے اس کی زندگی مادی وسائل کے اعتبار سے معیاری و مثالی بنے، بس اسی فکرِ دنیا میں عمر عزیز کٹ رہی ہے، اور دن بہ دن دوسری دنیا کے قریب ہو رہے ہیں، حالانکہ ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اسباب عیش و عشرت اختیار کرنے میں اپنے آقا سرورِ دو عالم ﷺ کے طرزِ عمل کو جانیں، اور اسوۂ نبوی ﷺ کو اپنانے کی کوشش کریں کہ کیسے آپ ﷺ نے اسباب و وسائل کی وسعت پر قادر ہوتے ہوئے دنیوی عیش سے اعراض کیا، بقدر زیست دنیا استعمال کر کے اہل دنیا کیلئے امنٹ

آپ ﷺ اجابت دیں تو میں نرم چٹائی بچھا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے لئے دنیا کی کیا ضرورت؟ میری اور دنیا کی مثال اس مسافر کی طرح ہے جو گراموں کے زمانے میں سفر کر رہا ہو اور تھوڑی دیر کیلئے درخت کے سائے میں آرام کیا اور چل دیا، اسی طرح کے الفاظ آپ ﷺ سے اس وقت بھی مروی ہیں جب حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کیلئے نرم بستر بچھا دیا تھا، (مشکوٰۃ: ۴۴۲) (الوفاء باحوال المصطفیٰ ۲/۵۷۲ بیروت) اسی کو مولانا مناظر حسین گیلانیؒ نے بڑے عمدہ انداز میں یوں بیان فرمایا: کہ خاک کے فرش کے سوا جس کے پاس کوئی فرش نہ تھا وہ اگر خاک پے سویا تو کیا خاک سویا، جو تخت پر سو سکتا تھا وہ مٹی پر سویا تو اسی کا سونا ایسا خالص سونا ہے جس میں کوئی کھوٹ نہیں (النبی الخاتم: ۵۲) نیز آپ ﷺ کے بستر کی کیفیت حضرت عائشہؓ کچھ یوں بیان فرماتی ہیں: انما کان فراش رسول اللہ ﷺ الذي ينام عليه من آدم حشوه ليف۔ آپ ﷺ کے آرام کا بستر گویا چمڑے کا گدا ہوا کرتا جس میں کھجور کے پتے کوٹ کوٹ کر بھر دئے جاتے۔

لباس میں سادگی:

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کو قمیص کپڑوں میں زیادہ پسند تھی، (الوفاء ۲/۵۶۳) حضرت عائشہؓ نے ابو بردہؓ کو ایک موٹا ساجبہ اور ایک موٹا سا ازار نکال کر بتایا اور اس بات کی نشاندہی کردی کہ یہی وہ دونوں کپڑے ہیں جن میں آپ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔ تکلفات و تصنعات سے احتراز کی بنیاد پر آپ ﷺ عمدہ سے عمدہ لباس سے گریزاں تھے، ایک صحابیؓ نے

ایک عمدہ لباس عطا کیا، جس میں آپ ﷺ نے نماز ادا کی، اور نماز کے بعد فوراً اس لباس کو اتار دیا اور اس لباس کو لوٹا دیا، دوسرا سادہ لباس زیب تن کیا اور فرمایا: اسے لے جاؤ اس کی بناء پر میری نماز میں خلل واقع ہوا۔ (الوفاء: ۵۶۴)

طعام میں سادگی:

ظاہری طور پر جسم انسانی کی بقا کا ذریعہ غذا ہے، لیکن وہی غذا انسان کیلئے کار آمد و مفید ہے، جو احکام الہی پر قائم رکھنے کا سبب بنے، اور نواہی سے اجتناب کا ذریعہ ہو، اس لئے کہ مقصود اصلی اطاعت و بندگی ہے، جب مقصود اصلی سے صرف نظر کر کے غذا کیلئے دوڑ دھوپ ہوگی تو ظاہر ہے اس میں حرمت و حلت کے پہلو کو بھی نظر انداز کیا جائیگا، یہ غذا انسان کیلئے مفید کے بجائے مضر ہوگی، جس میں سادگی کے بجائے تنوعات و تصنعات تکلفات شامل ہوں گی، جس میں فضول خرچی و اسراف کی بہتات ہوگی، آپ ﷺ طعام کے سلسلہ میں انتہائی محتاط رویہ اپناتے، اور طعام بھی تکلفات سے عاری ہوتا، حضرت ابن عباسؓ آپ ﷺ کے طعام کی کیفیت کا کچھ یوں تذکرہ فرماتے ہیں: عموماً جو کی روٹی اور سرکہ استعمال کرتے (الوفاء باحوال المصطفیٰ ۲/۵۹۸) اور آپ ﷺ یہ دعا بھی فرماتے: اللہم اجعل رزق آل محمد قوتاً۔ (مشکوٰۃ: ۴۴۰) اے اللہ آل محمد کے رزق کو بقدر زیست بنا، نیز جب آپ ﷺ کیلئے پہاڑوں کو سونا بنانے کی پیشکش کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے میرے رب میں تو یہ پسند کرتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کھاؤں تو ایک دن بھوکا رہوں، تا کہ جب کھاؤں تو تیرا شکر کروں، اور آپ کی مدح و ثناء

کروں، اور جب بھوکا رہوں تو آپ کی جانب گریہ و زاری میں لگا رہوں (مشکوٰۃ: ۴۴۲) آپ ﷺ کے اسی طرز عمل و تربیت کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ بھی اسی طرز عمل کو اپنانے کیلئے کوشاں رہتے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ کا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا، جس کے سامنے بھنی ہوئی مچھلی رکھی ہوئی تھی، آپ کو مدعو کیا گیا، آپ نے انکار کر دیا، اور فرمایا: آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے جو کی روٹی بھی پیٹ بھر نہ کھائی (مشکوٰۃ: ۴۴۷) حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف اغنیاء صحابہ میں ہیں، اس کے باوجود ایک دفعہ برتن میں روٹی اور گوشت لایا گیا، اس کو دیکھ کر رونے لگے، رونے کی وجہ دریافت کی گئی، تو فرمایا: آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے، مگر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے گھر والے جو کی روٹی بھی پیٹ بھر نہ کھائی، ہمارے لئے اس مؤخر شدہ میں خیر نہیں (الوفاء ۲/۴۸۱) ایک دفعہ عمرؓ تقریر کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ لوگوں نے دنیا سے کیا کیا نفع اٹھایا، مگر میں نے حضور ﷺ کو دیکھا ہے کہ ایک ایک دن گذر جاتا مگر آپ ﷺ کے پاس ردی کھجور بھی نہ ہوتے (الوفاء ۲/۴۸۰) یہ وہ افراد تھے جو اپنے لئے اسباب رزق کی وسعت کو خیر تصور نہ کرتے، خود حضرت عمرؓ ایک وسیع و عریض اسلامی ریاست کے مقتدر اعلیٰ ہوتے ہوئے انتہائی سادگی پسند تھے، اور دنیاوی تکلفات و تعیشات سے گریزاں تھے۔

رہن سہن میں سادگی:

آپ ﷺ چاہے سفر میں ہوں یا حضر میں ہر گز ایسی ہیئت کو پسند نہ فرماتے بقیہ صفحہ (38) پر

روزے سے متعلق

اہم مسائل



مولانا حافظ محمد زاہد

سے غروب آفتاب تک پورا دن ہے اور اس کا نصف ”نصف النہار شرعی“ ہے، اس وقت تک انسان روزہ کی نیت کر سکتا ہے۔ ☆۔۔۔ نیت زبان سے ادا کرنا ضروری نہیں ہے، بس دل میں ارادہ کر لینا ہی کافی ہے۔ ☆۔۔۔ نفلی روزے کی نیت رمضان کے روزے کی طرح نصف النہار شرعی تک کی جاسکتی ہے۔ ☆۔۔۔ رمضان کے قضا روزوں کی نیت صبح صادق سے پہلے پہلے ہی ہو سکتی ہے، اس کے بعد رمضان کے قضا روزے کی نیت کرنا درست نہیں ہے۔ ☆۔۔۔ اگر کسی نے رات کو سوتے وقت روزہ (رمضان کا ہو یا نفل یا قضا کا) کی نیت کی تو صبح صادق تک اُسے اس نیت کو بدلنے کا اختیار ہے کہ وہ روزہ نہ رکھنے کی نیت کر لے، لیکن اگر صبح صادق طلوع ہو گئی تو اب اس کا روزہ شروع ہو گیا، اب اگر وہ کچھ کھاتا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور رمضان کے روزہ کی صورت

علاوہ روزے کے فضائل سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں، لیکن ان کو طوالت کی وجہ سے بیان نہیں کیا جا رہا۔ ذیل میں روزے سے متعلق مسائل کو بیان کیا جا رہا ہے، تاکہ اتنی فضائل والی عبادت کو مکمل آداب اور مسائل کی رعایت رکھتے ہوئے ادا کیا جائے اور اس کے جملہ فضائل کا حق دار بنا جائے۔۔۔۔

روزہ کی نیت سے متعلق مسائل!

☆۔۔۔ رمضان المبارک کے روزے کی نیت صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے کر لینا بہتر ہے۔ ☆۔۔۔ اگر صبح صادق طلوع ہونے کے بعد روزہ رکھنے کا ارادہ کیا، اس حال میں کہ صبح صادق سے کچھ کھایا پینا نہیں تھا تو روزہ کی نیت صحیح ہے۔ ☆۔۔۔ کچھ نہ کھانے کی صورت میں بھی ”نصف النہار شرعی“ تک نیت کی جاسکتی ہے، اس کے بعد نہیں، نصف النہار شرعی کا مطلب ہے: صبح صادق

توحید و رسالت کی شہادت کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اسلام کے عناصر اربعہ ہیں اور پھر ان چار چیزوں میں سے بھی نماز اور روزہ کی زیادہ اہمیت ہے، اس لیے کہ یہ ہر مسلمان پر فرض ہیں، جب کہ زکوٰۃ صاحب نصاب پر اور حج صاحب استطاعت پر فرض ہے۔ جملہ عبادات میں سے روزہ وہ واحد عبادت ہے جس کے بارے میں احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿الصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ﴾ ”روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔“ بعض علماء نے اعراب کے تھوڑے سے فرق سے الصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ اس کا معنی یہ کیا ہے: ”روزہ میرے لیے ہے اور میری ذات ہی اس کا بدلہ ہے۔“ اس کے علاوہ روزہ داروں کے لیے جنت کا ایک دروازہ ”ریان“ مخصوص ہے، جس میں سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے، اُن کے علاوہ کوئی اور اس دروازہ سے داخل نہیں ہوگا، ان کے

میں اس پر کفارہ اور قضا، جب کہ نفل روزہ کی صورت میں صرف قضا لازم ہوگی۔ ☆۔۔۔ سحری کھائے بغیر بھی روزہ کی نیت کی جاسکتی ہے البتہ سحری کھانا مستحب اور برکت کا باعث ہے۔

سحری سے متعلق مسائل

☆۔۔۔۔۔ سحری کھانا مستحب ہے اور احادیث میں اس کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سحری کھایا کرو، کیوں کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔“ (متفق علیہ)

☆۔۔۔ سحری کھانے کا وقت صبح صادق طلوع ہونے تک ہے۔ صبح صادق طلوع ہوتے ہی سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ ☆۔۔۔ بعض لوگ رات کو ہی سحری کھا کر سو جاتے ہیں، ایسا کرنا پسندیدہ نہیں ہے، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری دیر سے کھانے کو خیر کا باعث قرار دیا ہے۔

☆۔۔۔ آج کل اخبارات اور مساجد میں صبح صادق طلوع ہونے کا ٹائم ٹیبل موجود ہوتا ہے، اُس کے حساب سے سحری کھانا بند کر دینا چاہیے۔

☆۔۔۔ اذان اور سائرن بجنے کے شروع ہونے تک کھاتے پیتے رہنا آج کل کے جدید دور میں مناسب بھی نہیں ہے، اس لیے کہ ہر گھر میں گھڑی موجود ہے اور صبح صادق کے طلوع ہونے کا علم بھی ہے۔ ☆۔۔۔ بعض لوگ تو اذان ختم ہونے تک کھاتے رہتے ہیں، جو سراسر غلط ہے، اس لیے کہ اذان کی ابتدا صبح صادق کے طلوع ہونے پر ہوتی ہے، جب کہ سحری کا وقت صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ ☆۔۔۔ حالت جنابت میں سحری کھالینا اور روزہ رکھ لینا جائز ہے، لیکن جتنی

جلدی ممکن ہو انسان کو پاکی حاصل کر لینی چاہیے، اس لیے کہ زیادہ دیر ناپاک رہنا بھی گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔

افطار سے متعلق مسائل!

☆۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق سورج غروب ہوتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہیے، افطار میں تاخیر کرنے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کے منافی اور دین کے غلبے کے خلاف قرار دیا ہے۔ ☆۔۔۔ روزہ افطار کرنے کی مسنون دعایہ ہے: ”ذَهَبَ الظَّمْأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَبَثَّتِ الْأَجْزُإِنْ شَاءَ اللَّهُ“ (ابوداؤد) ”پیاس چلی گئی، رگیں تر ہو گئیں اور اجر و ثواب اللہ کے حکم سے قائم ہو گیا۔“ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ (ابوداؤد) ”اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے دیے ہوئے رزق پر افطار کیا۔“ ☆۔۔۔ تازہ کھجور سے روزہ افطار کرنا مستحب و مسنون ہے، اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی سے روزہ افطار کرنا چاہیے، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا۔

☆۔۔۔ افطار کا وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے، اس لیے افطار سے چند منٹ پہلے سے ہی خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ☆۔۔۔ اگر کسی نے سورج غروب ہونے کی غلط فہمی پر روزہ افطار کر لیا تو اس کا روزہ نہیں ہوا اور اس پر اس روزہ کی قضا لازم ہے البتہ اس پر روزہ توڑنے کا کفارہ لازم نہیں آئے گا، بعض کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کہ ایسا غلط فہمی کی بنا پر ہوا ہے۔ ☆۔۔۔ سحری اور افطار میں اس جگہ کا اعتبار ہوگا جہاں انسان اُس وقت موجود ہے، مثلاً: اگر کوئی سعودی عرب سے روزہ رکھ کر

لاہور آتا ہے تو وہ افطاری لاہور کے وقت کے مطابق کرے گا۔ ☆۔۔۔ ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہوئے افطار کا وقت تب ہوگا جب وہاں موجود لوگوں کو سورج غروب ہوتا نظر آئے۔ زمین والے وقت کے مطابق وہ افطار نہیں کر سکتے، اس لیے کہ اتنی بلندی پر ہونے کے باعث سورج اُن کے سامنے طلوع نظر آ رہا ہوتا ہے۔

☆۔۔۔ جان بوجھ کر کھاپی لینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس صورت میں کفارہ اور قضا دونوں لازم ہیں۔ ☆۔۔۔ دانتوں میں گوشت یا کھانے کا کوئی حصہ رہ گیا اور روزہ کی حالت میں انسان نے نگل لیا تو اگر وہ چنے کے دانے کے برابر ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم ہوگی اور اگر چنے کے دانے سے کم ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

☆۔۔۔ وضو کرتے وقت یا نہاتے وقت اگر غلطی سے پانی حلق میں چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اس صورت میں صرف قضا لازم ہے، اسی بنا پر انسان کو چاہیے کہ روزہ کی حالت میں فرض غسل کرتے وقت بھی نہ تو غرارہ کرے اور نہ بہت زیادہ ناک میں پانی ڈالے، کیوں کہ اس سے روزہ ٹوٹ جانے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔ ☆۔۔۔ روزے کی حالت میں اگر بارش کے پانی کا قطرہ حلق سے نیچے چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر یہ فعل جان بوجھ کر کیا تو کفارہ اور قضا دونوں لازم ہوں گے اور اگر غلطی سے ایسا ہوا تو صرف قضا ہوگی۔ ☆۔۔۔ اگر کسی نے زبردستی کچھ کھلا دیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں، البتہ کھلانے والا گنہگار ہوگا۔ ☆۔۔۔ دانتوں یا مسوڑوں سے خون نکل کر حلق میں چلا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ

جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا!

☆۔۔۔ اگر کسی نے روزہ کی حالت میں بھول کر کھا پی لیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ اگر کھاتے کھاتے یاد آجائے تو فوراً کھانا پینا چھوڑ دے اور اگر چیز منہ میں ہو تو اسے بھی تھوک دے۔

☆۔۔۔ اگر کسی نے روزہ کے دوران کوئی چیز چکھ کر تھوک دی تو اس سے روزہ پر کوئی فرق نہیں

انجکشن لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چاہے انجکشن گوشت میں لگایا جائے یا رگ

میں، البتہ بغیر کسی مجبوری کے روزہ کی حالت میں طاقت کا انجکشن لگانا مکروہ

ہے۔ ☆۔۔۔ گلوکوز کی بوتل

(drip) لگانے سے بھی روزہ نہیں

ٹوٹتا، البتہ بغیر کسی مجبوری کے ایسا کرنا مکروہ ہے

پڑتا، البتہ بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ ☆۔۔۔ روزہ

کی حالت میں تھوک نکلنے سے بھی روزہ پر فرق نہیں

پڑتا، البتہ جان بوجھ کر تھوک کو جمع کر کے نگلنا مکروہ

ہے۔ ☆۔۔۔ روزہ کی حالت میں گرد وغبار یا

دھواں حلق میں چلا جائے تو اس سے روزہ نہیں

ٹوٹتا۔ البتہ اگر ان چیزوں کو جان بوجھ کر حلق سے

نیچے اتارا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ☆۔۔۔ روزہ

کی حالت میں مسواک (چاہے خشک

ہو یا تر) کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ☆۔۔۔ روزہ

کی حالت میں اگر غسل کرتے ہوئے کان میں

خود بخود پانی چلا گیا تو روزہ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، اس لیے کہ یہ اختیار سے باہر ہے۔

جائے گا اور قضا لازم ہوگی۔ ☆۔۔۔ روزہ کی

حالت میں بیوی سے ہم بستری کرنے سے بھی روزہ

ٹوٹ جائے گا اور اس صورت میں کفارہ اور قضا

دونوں لازم ہوں گے۔ ☆۔۔۔ اگر ہم بستری نہیں

کی صرف بوسہ لیا اور انزال ہو گیا تو اس صورت میں

روزہ فاسد ہو جائے گا اور قضا لازم ہوگی۔

☆۔۔۔ اگر کسی مرد نے ہاتھوں سے انزال کر لیا تو

اس صورت میں صرف قضا لازم ہوگی، بعض کے

نزدیک چوں کہ ایسا جان بوجھ کر کیا گیا ہے اس لیے

کفارہ بھی لازم ہوگا۔ ☆۔۔۔ اسی طرح اگر کسی

شخص نے عورت کو شہوت سے دیکھا یا جھوٹا اور

انزال ہو گیا تو اس صورت میں بھی صرف قضا لازم

ہوگی۔ ☆۔۔۔ اگر کسی نے قصداً منہ بھر کر

قے (الٹی) کی تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، یا

پھر اگر خود بخود قے آئی اور پھر اس نے جان بوجھ کر

اندر نگلی تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

☆۔۔۔ روزہ کی حالت میں سگریٹ یا حقہ پینے

سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر یہ کام جان بوجھ

کر کیا ہے تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے ورنہ

صرف قضا لازم ہوگی۔ ☆۔۔۔ اگر کوئی شخص سحری

کے وقت پانی یا چھالیہ منہ میں ڈال کر سو گیا اور سحری

کا وقت ختم ہونے کے بعد اس کی آنکھ کھلی تو اس کا

روزہ نہیں ہوا، اس پر قضا لازم ہے۔ ☆۔۔۔ اگر

کسی کی تکسیر پھوٹ گئی اور خون حلق میں چلا گیا تو

روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر خون حلق میں نہیں گیا تو

روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ ☆۔۔۔ روزہ کی حالت میں

سانس کی بیماری کی وجہ سے inhaler استعمال

کرنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا لازم

ہوگی۔

☆۔۔۔ روزے کی حالت میں ٹوٹھ پیسٹ اور ٹوٹھ

پاؤڈر کا استعمال مکروہ ہے، البتہ کسی عذر کی بنا پر ہو تو

اس کی گنجائش ہے، وہ بھی اس صورت میں جب کہ

اس کا ذائقہ حلق میں محسوس نہ ہو۔ ☆۔۔۔ روزہ کی

حالت میں خود سے قے (الٹی) آجانے سے روزہ

نہیں ٹوٹتا۔ ☆۔۔۔ روزہ کی حالت میں دانتوں

سے خون نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بشرطیکہ خون حلق

میں نہ جائے، اگر خون حلق میں چلا گیا تو روزہ ٹوٹ

جائے گا۔ ☆۔۔۔ روزہ کی حالت میں آنکھ میں

سرمہ یا کاجل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

☆۔۔۔ روزہ کی حالت میں سریا پورے جسم پر تیل

لگانے اور مالش کرنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

☆۔۔۔ روزہ کی حالت میں بیوی سے معافہ

کرنے یا بوسہ لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بشرطیکہ

انسان کو اپنے نفس پر کنٹرول ہو۔ ☆۔۔۔ روزہ کی

حالت میں اگر احتمال ہو جائے تو اس سے بھی روزہ

نہیں ٹوٹتا۔ ☆۔۔۔ انجکشن لگانے سے روزہ نہیں

ٹوٹتا، چاہے انجکشن گوشت میں لگایا جائے یا رگ

میں، البتہ بغیر کسی مجبوری کے روزہ کی حالت میں

طاقت کا انجکشن لگانا مکروہ ہے۔ ☆۔۔۔ گلوکوز کی

بوتل (drip) لگانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ

بغیر کسی مجبوری کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

☆۔۔۔ روزہ کی حالت میں جسم کے کسی حصے سے

کسی بھی مقدار میں خون نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

☆۔۔۔ روزہ کی حالت میں کسی کو خون دینے سے

بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ☆۔۔۔ روزہ کی حالت میں

دانت نکھوانے سے روزہ پر کوئی فرق نہیں

پڑتا، بشرطیکہ خون حلق میں نہ جائے۔ ☆۔۔۔ روزہ

کی حالت میں مرگی کا دورہ پڑنے سے بھی روزہ نہیں

ٹوٹا۔ ☆۔۔۔ روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوائی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق کے مطابق آنکھ میں ڈالی گئی سیال دوائی کا ذائقہ چوں کہ حلق میں محسوس ہوتا ہے، اس لیے احتیاط کے پیش نظر روزے کی حالت میں (بغیر کسی مجبوری کے) آنکھ میں دوائی ڈالنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ☆۔۔۔ روزہ کی حالت میں کان یا ناک میں دوائی یا تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ☆۔۔۔ روزہ کی حالت میں منہ میں بلا عذر دوائی لگانا مکروہ ہے اور اگر کسی نے منہ میں دوائی لگائی اور وہ حلق میں چلی گئی تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، بعض کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

عورتوں کے مخصوص مسائل!

☆۔۔۔ حیض و نفاس کے دنوں میں عورت کے لیے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، البتہ ان روزوں کی قضا فرض ہے۔ ☆۔۔۔ اگر کسی عورت کو روزہ کے دوران menses (حیض) شروع ہو جائے تو اس کا روزہ ختم ہو جاتا ہے اور اس کی قضا اس پر لازم ہے۔ ☆۔۔۔ حاملہ عورت کو روزہ رکھنے کی وجہ سے اپنی یا اپنے بچے کی جان کا خطرہ ہو تو وہ روزہ چھوڑ سکتی ہے، لیکن بعد میں ان روزوں کی قضا لازم ہے۔ ☆۔۔۔ اسی طرح اگر دودھ پلانے والی عورت کا روزہ رکھنے کی وجہ سے دودھ کم ہو جاتا ہے اور بچے کا پیٹ نہیں بھرتا تو وہ روزہ چھوڑ سکتی ہے، لیکن بعد میں قضا لازم ہے۔ ☆۔۔۔ اگر عورت مندرجہ بالا کسی عذر کی بنا پر روزہ نہیں رکھتی تب بھی اُس کے لیے مستحب ہے کہ وہ روزہ دار کی طرح رہے اور کسی کے سامنے کھانے پینے سے پرہیز کرے۔ ☆۔۔۔ اگر عورت کو سالن چھکنے کی

ضرورت پیش آئے تو وہ ایسا کر سکتی ہے، لیکن ایسا کرنا کسی مجبوری کی بنا پر جائز ہے اور بغیر کسی مجبوری کے ایسا کرنا مکروہ ہے، نیز صرف سالن چکھ سکتی ہے اگر سالن یا اس کا ذائقہ حلق میں چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ☆۔۔۔ اسی طرح مجبوری میں عورت اپنے بچے کو کھانے کی کوئی چیز چبا کر دے سکتی ہے، لیکن اگر اس نے اتنا چبایا کہ اس چیز کا ذائقہ حلق میں محسوس ہوا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

☆۔۔۔ عورت اگر نفل روزہ رکھنا چاہتی ہے تو وہ اپنے خاوند سے اجازت لے اور اگر وہ بغیر اجازت کے نفل روزہ رکھتی ہے اور اس کا خاوند اعتراض کرتا ہے تو اس کو چاہیے کہ اس نفلی روزہ کو توڑ دے اور بعد میں اس کی اجازت سے قضا کرے، رمضان کے روزے چوں کہ فرض ہیں، اس لیے ان میں اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

شیخ فانی سے متعلق مسائل!

☆۔۔۔۔ شیخ فانی ایک فقہی اصطلاح ہے، جو ایسے بوڑھے مرد یا بوڑھی عورت کے لیے استعمال ہوتی ہے جو عمر کے ایسے حصے میں پہنچ گئے ہوں کہ روز بروز ان کی کمزوری میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہو، ایسا شخص جب روزہ رکھنے سے عاجز ہو، یعنی نہ اب رکھ سکتا ہے، نہ آئندہ اس میں اتنی طاقت آنے کی امید ہے کہ وہ روزہ رکھ سکے، تو اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور ہر روزے کے بدلے فدیہ دینے کا حکم ہے۔ ☆۔۔۔ اگر کوئی شیخ فانی گرمیوں میں گرمی کی شدت کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا، مگر سردیوں میں روزہ رکھنے کی قدرت رکھتا ہے تو وہ ماہ رمضان کے روزے افطار کرے اور ان روزوں کی سردیوں میں قضا کرے، اس صورت میں روزوں کا

فدیہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ ☆۔۔۔ اگر کوئی شیخ فانی روزے کی طاقت نہیں رکھتا تھا اور اس نے اپنے روزوں کا فدیہ ادا کر دیا، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس کی طاقت بحال ہو گئی تو اب اس کا فدیہ صدقہ شمار ہوگا اور وہ اپنے قضا شدہ روزوں کی قضا کرے گا۔ ☆۔۔۔ شیخ فانی کسی غریب مسکین کو رقم دے کر اس سے اپنے روزے نہیں رکھا سکتا، اس لیے کہ روزہ نماز کی طرح ایک بدنی عبادت ہے اور بدنی عبادت میں کوئی کسی کی نیابت نہیں کر سکتا۔

مریض سے متعلق مسائل!

☆۔۔۔ اگر مریض کو روزہ رکھنے کی وجہ سے موت یا عضو کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو وہ روزہ چھوڑ سکتا ہے اور صحت حاصل ہو جانے کے بعد ان روزوں کی قضا کرے گا۔ ☆۔۔۔ اگر اُسے یقین ہو جائے کہ اب وہ اس بیماری سے صحت یاب نہیں ہو سکتا تو وہ اپنے قضا شدہ روزوں کا فدیہ ادا کرے گا۔ ☆۔۔۔ فدیہ ادا کرنے کے بعد اگر وہ صحت یاب ہو جاتا ہے تو اس کا فدیہ صدقہ شمار ہوگا اور اسے ان روزوں کی قضا کرنا ہوگی۔

☆۔۔۔ اگر وہ صحت یاب ہونے کی اُمید پر فدیہ ادا نہیں کرتا اور وفات پا جاتا ہے تو اس کے ورثا کو چاہیے کہ اس کے مال میں سے فدیہ ادا کریں۔

مسافر سے متعلق مسائل!

☆۔۔۔ مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے، علمائے کرام کے مطابق سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت مشقت پر محمول ہے، اس لیے کہ احادیث میں مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سفر میں روزہ رکھتے تھے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے۔ ☆۔۔۔ موجودہ زمانے میں جب بے شمار

سفری سہولتیں میسر ہیں اور سفر میں کوئی مشقت پیش نہیں آتی تو بلا وجہ سفر کو عذر بنا کر روزہ چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے۔ ☆۔۔۔ اگر سفر کی وجہ سے کوئی روزہ چھوٹ گیا تو اس کی قضا لازم ہے۔

روزے کا فدیہ!

☆۔۔۔ ایک روزے کا فدیہ صدقہ فطر کے برابر ہے، یعنی پونے دو کلو گندم یا اُس کی قیمت کسی غریب کو دے دے یا کسی مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلا دے۔ ☆۔۔۔ فدیہ صرف اُس صورت میں دیا جا سکتا ہے جب یہ یقین ہو جائے کہ روزہ رکھنے کی نہ اب طاقت ہے اور نہ آئندہ طاقت بحال ہونے کی کوئی اُمید ہے۔ ☆۔۔۔ انسان کے ذمے اگر قضا روزے ہوں تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے ورثا کو اُن روزوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔

☆۔۔۔ اگر انسان وصیت نہیں کرتا تو اس کے روزوں کا فدیہ اس کے ورثا خود سے بھی ادا کر سکتے ہیں اور میت کی طرف سے روزوں کا فدیہ ادا کرنا میت کے حقوق میں سے ایک حق بھی ہے۔

روزے کا کفارہ!

☆۔۔۔ کفارہ صرف رمضان کا روزہ توڑنے پر لازم آتا ہے، نفل یا قضا روزہ توڑنے کا کوئی کفارہ نہیں ہوتا البتہ قضا لازم ہوتی ہے۔

☆۔۔۔ روزے کا کفارہ یہ ہے کہ دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلائے یا ہر مسکین کو صدقہ فطر کے مقدار غلہ یا اس کی قیمت دے۔ ☆۔۔۔ اگر میاں بیوی نے روزہ کی حالت میں صحبت کی تو دونوں پر الگ الگ کفارہ لازم ہوگا۔ ☆۔۔۔ ایک رمضان کے اگر کئی روزے توڑنے کا کفارہ لازم ہو تو ایک کفارہ ادا

کرنے (یعنی دو ماہ کے روزے رکھنے یا ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی مقدار غلہ دینے) سے اُن سب روزوں کی طرف سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔

☆۔۔۔ اگر دو رمضان کے روزوں کا کفارہ لازم ہوا ہے تو وہ الگ الگ دینے سے ہی ادا ہوگا۔

روزہ کے متفرق مسائل!

☆۔۔۔ اگر کوئی شخص رمضان کے شروع میں کسی عرب ملک میں تھا جہاں پاکستان سے ایک دن پہلے روزہ شروع ہوا اور پھر وہ پاکستان آ گیا تو اب مذکورہ شخص پاکستان کے حساب سے عید کرے گا، چاہے اس کے 31 روزے ہو جائیں، زائد روزے نفلی شمار ہوں گے۔ ☆۔۔۔ سال بھر میں پانچ دن روزہ رکھنا ممنوع ہے: عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق (یعنی 11، 12 اور 13 ذوالحجہ)۔

☆۔۔۔ ماہ شعبان کے آخری دن (29 یا 30) یعنی ماہ رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت احادیث میں آئی ہے، البتہ اگر کسی شخص کا کوئی معمول ہو تو وہ اس دن روزہ رکھ سکتا ہے، مثلاً: ایک شخص ہر جمعہ کا روزہ رکھتا ہے اور اس دفعہ 29 شعبان کو جمعہ آجائے تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے۔ ☆۔۔۔ سال بھر میں چند دن ایسے ہیں جن میں نفل روزہ رکھنا بہت اجر و ثواب کا باعث ہے، مثلاً: ماہ شوال کے چھ روزے، نو اور دس یا دس اور گیارہ محرم کا روزہ، غیر حاجی کے لیے 9 ذوالحجہ (یوم عرفہ) کا روزہ، ہر ماہ ایام بیض (یعنی ہر اسلامی مہینہ کی 13، 14 اور 15 تاریخ) کے روزے۔

☆۔۔۔ اگر کوئی شخص مندرجہ بالا دنوں میں رمضان کی قضا کا روزہ رکھنا چاہے تو وہ بھی رکھ سکتا ہے، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جب قضا روزے

ذمے ہوں تو ان کو رکھنا نفل روزہ سے زیادہ ضروری ہے۔ ☆۔۔۔ اگر کسی نے روزہ رکھنے کی نذر مانی تو اس کا ادا کرنا واجب ہے۔ اگر انسان ادا نہیں کرتا تو یہ اُس کے ذمے رہے گا، اس پر لازم ہے کہ وہ مرتے وقت اس روزہ کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔ ☆۔۔۔ اگر کوئی شخص رمضان میں نذر یا نفل کے روزے کی نیت کر کے روزہ رکھے تو وہ نذر اور نفل کا نہیں، بلکہ رمضان کا روزہ ہی شمار ہوگا اور نذر اور نفل کا روزہ بعد میں رکھنا پڑے گا۔

☆۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی نے رمضان کا روزہ بغیر کسی عذر یا بیماری کے چھوڑا تو پھر ساری عمر بھی روزہ رکھے تو اُس روزہ کے ثواب کو نہیں پہنچ سکتا، یعنی قضا کرنے سے فرض تو ادا ہو جائے گا، مگر فضائل حاصل نہیں ہوں گے۔

☆۔۔۔ اگر کوئی شخص روزہ رکھتا ہے، مگر نماز نہیں پڑھتا یا گناہوں سے نہیں بچتا تو اس کے ذمے سے فرض تو ادا ہو جائے گا، مگر جو روزہ کے جملہ فضائل ہیں، اُن کا مستحق نہیں ہوگا۔ ☆۔۔۔ امتحانات کی وجہ سے رمضان کا روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ کوئی شرعی عذر نہیں ہے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو گھائے کا سودا کرتا ہے۔ ☆۔۔۔ روزے دار کا روزہ افطار کرنا بڑی فضیلت کا باعث ہے، احادیث میں مذکور ہے کہ روزہ افطار کرانے والے کو بھی روزہ دار جتنا ثواب ملے گا اور روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

☆۔۔۔ جمعۃ الوداع (ماہ رمضان کے آخری جمعہ) کا روزہ بھی رمضان کے باقی روزوں کی طرح ہے، اسے عمر بھر کے روزوں کی قضا کے قائم مقام سمجھنا جاہلانہ تصور ہے۔

ڈیڑھ ماہ پیش 20 ہزار برمی مسلمان قتل

10 ہزار لاشیں 5 ہزار خواتین پر مجرمانہ حملے کیے گئے۔ یو ایس ای۔ ترکی اور ایران نے بین الاقوامی تحقیقات کا مطالبہ کر دیا

برما جہاں انسانیت دم توڑ چکی !!!

سید عبداللہ

خاطر اپنے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہیں۔ میڈیا پر آئی رپورٹس کے مطابق۔۔۔ معصوم بچوں عورتوں۔۔۔ اور بوڑھوں کو خوفناک طریقے سے ذبح کر کے موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے۔۔۔ اور ہزاروں۔۔۔ مسلمان عورتیں جنسی ہوس۔۔۔ کا شکار ہو چکی ہیں۔۔۔ اور ہزاروں ہی ایسی ہیں جن کو قریب کے ممالک میں۔۔۔ سمگل کیا جا رہا ہے اور نوجوانوں کو بے روزگار کر دیا گیا اور۔۔۔ معصوم بچوں کے گلوں۔۔۔ پر اپنے خونی ہاتھ رکھ کر ان کو زندگی سے محروم کیا جا رہا ہے۔۔۔ ہاتھ جوڑتے بوڑھے۔۔۔ روتی چلاتی مائیں ان بدھ دہشت گردوں کے برچھوں کا شکار ہو چکی ہیں۔۔۔ اس تمام تر انسانیت سوز مظالم۔۔۔ میں برما کی بدھ دہشت گرد فوجیں، پولیس، انتظامیہ اور مذہب کا روپ دھارے۔۔۔ شیطان راہب۔۔۔ پوری

انداز کے ساتھ بہایا گیا۔ ان بدھ دہشت گردوں کو سوا چھ کروڑ آبادی میں لٹے پٹے چار فیصد مسلمانوں کا وجود بھی برداشت نہیں ہے۔ اور اسی لیے مسلمانوں کی برمی شہریت کو تسلیم نہیں کیا جا رہا۔ اور گزشتہ کئی عرصے سے مسلمانوں کی نسل کشی کا وہ عمل جو پچھلی نصف صدی سے جاری ہے کو دوبارہ شروع کیا گیا ہے۔ جہاں پر منظم انداز کے ساتھ سرکاری فوجیں، ادارے، بدھ دہشت گرد تنظیمیں مسلمانوں کی مساجد۔۔۔ اور بستوں کو پورے ہجوم کی شکل میں بغیر۔۔۔ کسی خوف اور خطرے کے جلا رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کی۔۔۔ جان و مال۔۔۔ عزت و آبرو کو لوٹا جا رہا ہے۔ اس اجتماعی نسل کشی کی وجہ سے لاکھوں مسلمان عورتیں۔۔۔ بچے۔۔۔ جوان شہید ہو چکے ہیں اور ہزاروں ایسے ہیں جو۔۔۔ اپنی جان بچانے۔۔۔ کی

برما 4 جنوری 1948ء کو برطانیہ سے آزاد ہوا۔ تاریخ کے حساب سے برما کئی ممالک پر مشتمل ایک بڑی سلطنت تھا اور دنیا کے غریب ترین ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ جس کی آبادی کا نوے فیصد بدھ مذہب، چار فیصد مسلمان اور چار فیصد عیسائی دو فیصد ہندو اور باقی مذاہب کے لوگ آباد ہیں اور 1962 کی بغاوت سے لیکر اب تک فوجی آمریت برما کے سیاہ و سفید کی مالک ہے اور برما کی سرکاری فوجیں اور ادارے سخت گیر انتہا پسند بدھ مت مذہبی نظریات کے حامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کی اقلیتوں کے ساتھ ان کا رویہ انسانیت سے بہت دور سفاکیت پر مشتمل ہے۔ جنھوں نے گزشتہ نصف صدی سے اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کے حقوق کو ہر طرح سے دبایا اور مسلمانوں کو سیاسی اور معاشی طور پر پسماندہ رکھا گیا۔ اور مسلمانوں کے خون کو منظم

طور پر ملوث ہیں۔ اور ان مظالم کو چھپانے کے لیے آزاد میڈیا کو وہاں سے بے دخل کیا جا رہا ہے۔ تاکہ اپنی۔۔۔ سفاکیت اور درندگی۔۔۔ پر پردہ ڈالا جاسکے۔ اور سب سے بڑھ کر افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس بدترین دہشت گردی اور سفاکیت پر عالمی دنیا مکمل طور پر۔۔۔ خاموش تماشائی۔۔۔ کا کردار ادا کر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برما کے دہشت گردوں پر ان مظالم کو روکنے کے لیے کوئی دباؤ نہیں ڈالا گیا۔ ایسا لگتا ہے کہ۔۔۔ برما میں انسانیت مر چکی ہے۔۔۔ اور امن اور سلامتی کا جنازہ اٹھ گیا ہے۔۔۔ اقوام متحدہ اور باقی متعلقہ اداروں کی خاموشی بھی قابل افسوس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برما کے دہشت گردوں کے خلاف۔۔۔ مظلوم مسلمانوں کے۔۔۔ خون کے حق میں کوئی مضبوط آواز نہیں اٹھائی گئی۔ جیسے وہ ان کی دہشت گردی پر خوش اور مطمئن ہیں۔ اور سب کچھ ہونے دیے جا رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کے ساتھ ساتھ۔۔۔ اسلامی دنیا پر مسلط۔۔۔ کفر نواز طاغوتی حکمران طبقہ بھی محض زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ بھی نہیں کر رہا۔ ان تمام تر مشکل حالات میں برما کے۔۔۔ مسلمان مسلسل مظلومیت کا شکار ہیں۔ اور پڑوسی ممالک کی سنگدلی بھی تاریخ کا ایک۔۔۔ شرم ناک واقعہ ہے۔ بدھ دہشت گردوں کے ستائے ہوئے مسلمانوں کو یہ امید تھی کہ پڑوسی ملک بنگلہ دیش جہاں پر مسلمانوں کی بڑی تعداد آباد ہے وہ ان کے زخموں پر مرہم رکھیں گے اور اسی لیے انھوں نے اپنے علاقوں سے بھاگ کر بنگلہ دیش کا رخ کیا۔ لیکن یہاں پر بھارت نواز کالی عورت کی حکومت نے مسلمانوں کو پناہ دینے کے بجائے گرفتار کر لیا اور

ہزاروں کو واپس برما میں مزید سفاکیت کا شکار ہونے کے لیے دھکیل دیا۔ بھوک اور پیاس سے نڈھال سفر کے ستائے ہوئے اپنے پیاروں کی جدائی کا غم لیے ہوئے زخموں سے۔۔۔ چور چور ہاتھ جوڑ کر۔۔۔ پاؤں میں بیٹھ۔۔۔ کر پناہ کی درخواست بھی بنگلہ دیشی کالی عورت کے دل میں انکے لیے نرم گوشہ پیدا نہ کر سکی۔ ایسے میں مسلمانوں کے لیے سمندر کی بے رحم موجوں کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں اور میڈیا رپورٹس کے مطابق سینکڑوں مسلمان ملائیشیا اور تھائی لینڈ کے انسانی سمگلروں کے ہاتھوں فروخت ہو چکے ہیں۔ اور جو واپس گئے یا وہاں بچ گئے وہ پھر سے خوف زدہ ہیں۔ کہ وہ بدھوں کی خون پینے کی پیاس کا شکار نہ ہو جائیں۔ جن درندوں کی پیاس بجھائے سمجھ نہیں رہی۔ ایسی دردناک حالت میں دنیا میں کوئی ایسی انسانیت نہیں جو ان مسلمانوں کو پناہ دے سکے اور ان کو تحفظ دے سکے۔۔۔ اور خود کو عالم اسلام کا بلا شرکت غیرے بادشاہ سمجھنے والا سعودی عرب اور ترکی اور اسلامی دنیا کا قلعہ سمجھا جانے والا اور ایٹم بم پر فخر کرنے والا پاکستان بھی عملی اقدامات سے بہت دور محض زبانی جمع خرچ کا سہارا لے رہا ہے۔ اور بلکے چیختے، آہیں بھرتے فریاد کرے ترستی نظروں سے دیکھتے برمی مسلمانوں کے حق میں خاموشی اور بے حسی کو سوا کچھ نظر نہیں آ رہا۔ انسانیت ان کے حق میں گھونگی، بہری اور اندھی ہو چکی ہے اور نام نہاد مسلمانیت بھی بے شرمی اور بے غیرتی کی تمام حدود کو چھو رہی ہے۔ اسلامی دنیا کا تیل ان کے کام آسکا اور نہ ہی ایٹم بم اور ایف سولہ طیارے ان برمی مسلمانوں کے قاتلوں کے کیمپوں پر بارود بساتے

نظر آتے ہیں۔ اور نہ ہی ان کے قاتلوں کا شمار عالمی دہشت گردوں میں ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے سر کی قیمتیں لگتی ہیں۔ پس ان تمام تر مظالم اور مصائب کو وہ اس لیے اٹھا رہے کہ وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ اور اللہ کو اپن رب مانتے ہیں اور تلوار دے کر بھیجے گئے نبی الملاحم ﷺ کو برحق نبی تسلیم کرتے ہیں اور قرآن کو آسمانی وحی کا درجہ دیتے اور اسلام کو دنیا اور آخرت کی فلاح کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بدھ دہشت گرد ان کی اسلامیت سے شدید خوف کا شکار ہیں۔ اس لیے ان کو مٹا دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔ ایسے تمام تر حالات اور حادثات میں بطور امت ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کو امت کے وجود کا حصہ سمجھیں اور انکے دکھ اور درد اور انکی آہوں اور سسکیوں کو اپنا سمجھیں اور دعا اور تدبیر کے ذریعے انکی مدد اور نصرت کریں اور کسی اسلامی آبادی والے ملک میں ان کو مکمل پناہ کے ساتھ ساتھ مکمل سہولیات دی جائیں اور ان کے اکرام اور بحالی کے لیے سنجیدہ اقدامات کیے جائیں اور عالمی سطح پر ان پر کیے جانے والے مظالم اور درندگی کو ہر ممکن ذرائع کے ذریعے بے نقاب کیا جائے اور بدھوں کے خلاف بطور امت اپنا فرض اور ذمہ داری سمجھتے ہوئے جہاد کا اعلان کیا جائے۔ جس سے پیچھے نہ کوئی مرد رہے اور نہ عورت۔ تاکہ ان بدھوں کو نشان عبرت بنایا جا سکے۔ یاد رکھیے انکی مدد کو جانا اور انکی نصرت کرنا ہم پر فرض کیا گیا ہے اور اگر اب بھی ہم نے بے حسی اور تساہل پسندی کی عادت نہ چھوڑی اور خواب غفلت سے بیدار ہو کر کوئی ٹھوس اقدامات نہ کیے تو دنیا اور آخرت میں سخت انجام اور تباہی کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔



بابری مسجد کی شہادت میں حصہ لینے والوں پر کیا پیتی؟

بابری مسجد کو شہید کرنے کی مذموم مہم میں شامل اس وقت کے طاقتور سکھ لیڈر، بلویر سکھ کرم سنگھ بلویر (عبداللہ آدم) اب دولت ایمان سے سرفراز ہو چکے اور اب وہی میں مقیم ہیں۔ عبداللہ آدم شیخ بھائی (سابق بلویر) سے ہونے والی گفتگو نذر قارئین ہے۔

چین سا ہو گیا۔ بعض مسلمان بھی میرے دوست تھے۔ میں اپنے مسلمان دوست مولانا واصف کے پاس گیا۔ انھوں نے مجھے مشورہ دیا کہ سماجی بھلائی کے کام کرو مثلاً مساجد کی صفائی اور اللہ کی مخلوق کی خدمت۔ پھر سکھ ہونے کے باوجود سر پر عمامہ باندھ کر مسجدوں میں صفائی کرنے لگا۔ اس سے مجھے بہت سکون ملا۔ میرے بھائیوں کو جب پتا چلا تو انھوں نے مجھے مارا مگر میں باز نہ آیا۔ مولانا واصف نے مجھے بتایا تھا کہ خدمت انسان سے خدا اور عبادت سے جنت ملتی ہے۔ بابری مسجد کی شہادت کے بعد میں پاگل سا ہو گیا تھا۔ دکانداری سے دل اچاٹ ہو گیا اور آوارہ گردی کرتا رہتا۔ لیکن مسجدوں کی صفائی اور دیگر رفاہی کام کرنے سے سکون ملتا۔

س: اسلام قبول کرنے کا خیال کیسے آیا؟

ج: الطاف میرا گہرا مسلمان دوست تھا۔ اس کا بھائی مبین بھری جہاز پر کام کرتا تھا۔ اس کا ایک ہی گروہ تھا جس نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ ڈاکٹر سید جہانگیر سرجن تھے۔ انھوں نے کہا کہ مبین کو فوری طور پر

شہادت کے ناپاک فعل میں کیوں شامل ہوئے؟
ج: دراصل میرے والد آریس ایس (RSS) کے لیڈر تھے۔ اس انتہا پسند ہندو جماعت کے کئی راہنما میرے والد کے دوست تھے۔ آریس ایس کے راہنما کٹر اور تشدد دہندہ ہیں۔ بابری مسجد منہدم کرنے کے لیے بمبئی میں ایک اجلاس ہوا جہاں منصوبہ ترتیب دیا گیا۔ پھر ہم سارے لوگ ریل سے ایدوہیا پہنچے اور اس ناپاک فعل کو مکمل کیا۔

س: شہادت کے دوران آپ کو خیال نہیں آیا کہ آپ بہت بڑا گناہ کر رہے ہیں؟

ج: جی ہاں، اس وقت میرے دل میں یہ کھٹکا تھا کہ کسی بھی مذہب کے لوگوں کی پوجا پاٹ کے علاقے کو نقصان پہنچانا ٹھیک نہیں لیکن پھر سب کا ساتھ دینا پڑا۔

س: بابری مسجد کو شہید کرنے کے بعد آپ کیا محسوس کر رہے تھے؟

ج: جب میں واپس گھر پہنچا، تو مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ ڈراؤ نے خواب آتے۔ میں بہت بے

میں کچھ عرصہ قبل متحدہ عرب امارات دورے پر گیا۔ وہیں مجھے علم ہوا کہ بابری مسجد کو شہید کرنے کی مذموم مہم میں شامل اس وقت کے طاقتور سکھ لیڈر، بلویر سکھ کرم سنگھ بلویر اب دولت ایمان سے سرفراز ہو چکے اور اب وہی میں مقیم ہیں۔ میں حافظ آفتاب احمد کی معیت میں خصوصی طور پر ابوظہبی پہنچا جہاں سید محمد حسین شاہ اور دیگر دوستوں نے شام کی پر فضا گھڑیوں میں نو مسلم عبداللہ آدم شیخ بھائی سے ملاقات کا اہتمام کر رکھا تھا۔ عبداللہ آدم شیخ بھائی (سابق بلویر) سے ہونے والی گفتگو نذر قارئین ہے۔

س: والدین کے حوالے سے کچھ بتائیے۔

ج: میرے والد معروف آئی سرجن تھے۔ ان کا نام پرم سنگھ تھا۔ ہم تین بھائی ہیں: درندرسنگھ، بھتندر سنگھ اور میں۔ میرا اصل نام جیتندر پرم سنگھ ہے۔ مہاراشٹر میں ہماری چار دکانیں تھیں جہاں پر ہم آپٹیکل کاروبار کرتے تھے۔

س: آپ ہندو نہیں سکھ تھے پھر بابری مسجد کی

گردہ درکار ہے۔ مبین بھی میرا چھا دوست تھا۔ میں نے کہا کہ میں اسے گردہ دوں گا۔ سارے ٹیسٹ وغیرہ ہو گئے۔ جمعہ کو آپریشن تھا۔ میں جمعرات کی رات مقامی مسجد میں گیا لیکن دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ میں نے دروازے پہ ہی بیٹھ کر ہی دعا مانگی کہ اے اللہ، میرے دوست کو تندرست کر دے۔ مقررہ وقت ڈاکٹر نے میرے دوست کا آپریشن شروع کیا۔ اسی دوران بجلی چلی گئی۔ جب پاور سپلائی بحال ہوئی، تو ڈاکٹر نے آ کر مجھے بتایا کہ گردہ تو ٹھیک ہے۔ ایک شریان میں تھوڑی سی خرابی تھی جو درست کر دی گئی ہے۔ اللہ اکبر! یوں میرے اللہ نے میری دعا قبول کر لی۔ تب میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن الطاف کی ماں نے مشورہ دیا کہ آپ یہاں اسلام قبول نہ کریں کسی مسلمان ملک میں جا کر مسلمان ہو جائیے۔

س: آپ نے اسلام قبول کیسے کیا؟

ج: جلد ہی مجھے دبئی میں سکھوں کی ایک کمپنی میں ملازمت مل گئی۔ میرا اصل ارادہ دبئی جا کر مسلمان ہونا تھا۔ میں جس سکھ یا ہندو ساتھی سے بھی پوچھتا کہ اسلام کیسے قبول کیا جاتا ہے، تو وہ مجھ سے جھگڑ پڑتا۔ بہر حال میں نے پگڑی اتار دی، بال کاٹ دیئے اور بالکل گنجا ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد مسلمان دوستوں کے ذریعے معلوم ہوا کہ شارجہ مرکز میں پاکستان سے ایک تبلیغی جماعت آئی ہوئی ہے۔ اس میں ایک سو سالہ بزرگ بھی ہیں۔ شارجہ مرکز کے مسلمانوں نے میرے ساتھ تعاون کیا۔ انھوں نے مجھے غسل کرایا۔ نیا جوڑا لے کر دیا اور پھر کلمہ پڑھایا۔ کلمہ پڑھنے کے بعد تین دن تک میں شارجہ مرکز میں سکون کی نیند سوتا رہا۔ اس کے بعد واپس

کمپنی میں آ گیا اور ڈیرہ دبئی میں البرا اسپتال سے ختم کرائے۔

س: اسلام قبول کرنے کے بعد کیا مسائل سامنے آئے؟

ج: میری کمپنی میں صرف سکھ ہی کام کرتے تھے۔ جب میں نے انھیں بتایا کہ میں مسلمان ہو چکا، تو وہ مجھے تنگ کرنے لگے۔ رات دو بجے اٹھا دیتے اور

استغفر اللہ! اللہ معاف فرمائے، میں خود تقریباً نیم پاگل ہو گیا۔ نہ سونے کی فکر نہ کھانے کی پروا! دکانداری سے دل اچاٹ ہو گیا لیکن اللہ نے مجھے بچا لیا۔ مسجد شہید کرنے والوں میں ہمارے علاقے کا ڈاکٹر مہاج بھی شامل تھا۔ اس نے ایک بار گٹر کا پانی پی لیا۔ اسی کے زہر سے چل بسا۔ ایک اور نوجوان، اندرا پاگل ہو کر مرا۔ بقیہ لوگوں کی بھی ایسی ہی عبرت ناک داستانیں ہیں

فیصلہ بدلنے پر مجبور کرتے۔ دھمکیاں اور گالیاں دیتے اور کبھی کبھی پیٹ بھی ڈالتے۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ دبئی پولیس میں ملازم عبدالجید صاحب میرے واقف کار بن گئے۔ انھوں نے مجھے اپنا موبائل نمبر دیا اور کہا جب بھی کوئی مسئلہ بنے، مجھے فون لگانا، میں آ جاؤں گا۔ میرا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ نام تبدیل کرانے کے لیے کمپنی نے پاسپورٹ دینے سے انکار کر دیا۔ ایک مسلم دوست نے کہا کہ بھارت چلے جاؤ، پھر وہاں سے کاغذات تبدیل کروا لو۔ میں بہت پریشان ہوا۔ ایک رات ایک اجنبی فون آیا۔ انھوں نے پوچھا ”جدید مسلم“ میں نے

ہاں میں جواب دیا۔ وہ راشدیہ سے ایک عرب، عبدالباری صاحب تھے۔ انھوں نے مجھے مشورہ دیا کہ لیبر کورٹ چلا جاؤں۔ عبدالباری صاحب نے ہی مجھے شارجہ میں مقیم نو بہار علی ایڈووکیٹ کے سپرد کیا۔ ہم دونوں لیبر وزارت پہنچے، تو جج نے کہا ”ان شاء اللہ آپ کو پاسپورٹ لے کر دوں گا۔ یہ بھارت نہیں خلیج ہے۔ اگر ایک اسلام قبول کرنے والے کو اتنی تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں، تو کون مسلمان ہو گا؟“ جج نے کمپنی فون کیا کہ دس منٹ تک لیبر منسٹری پہنچ جائیں۔ کمپنی کا افسر تعلقات عامہ بھاگتا بھاگتا آ پہنچا۔ جج نے کہا کہ مجھے تم سے نہیں مالک سے بات کرنی ہے۔ اگر وہ نہ آیا، تو میں کمپنی کا لائسنس کینسل کر دوں گا۔ دس منٹ بعد مالک بھاگا بھاگا آیا۔ کہنے لگا، یہ ہمارا بھائی ہے، ہم اس کو پاسپورٹ دے گا۔ وہ پھر مجھے کمپنی لے گیا۔ وہاں وہ پھر اسلام قبول کرنے کا فیصلہ بدلنے پر مجبور کرنے لگا۔ دھمکیوں کے بعد تشدد کے ڈر سے میں غسل خانے چلا گیا۔ وہاں عبدالجید بھائی (دبئی شرع) کو فون لگایا۔ وہ فوراً آ گئے۔ اب ان کی مدد سے آخر مجھے پاسپورٹ مل گیا۔ میں پھر شارجہ مرکز چلا گیا جہاں چار ماہ تک تبلیغی جماعت والوں کے ساتھ رہا۔ پھر میں بھارت جا پہنچا۔

س: گھر والوں کو جب آپ کے مسلمان ہونے کا پتا چلا تو انھوں نے کس قسم کے رویے کا مظاہرہ کیا؟

ج: گھر والوں نے پٹائی کر کے مجھے گھر سے نکال دیا۔ میرے حصے کی جائداد مجھے ملنی تھی، لیکن مسلمان ہونے کے بعد ساری جائداد سے مجھے محروم کر دیا گیا۔

س: گھر سے نکل آنے کے بعد زندگی کیسے بسر

ہوئی؟

ج: جب مجھے گھر سے نکال دیا گیا میں مولانا واصف کے پاس چلا گیا۔ انھوں نے مجھے مسلمان نام عبداللہ آدم دیا۔ میرا رشن کارڈ بنوایا اور مجھے بیٹا بنالیا۔

س: آپ نے نماز، روزہ اور دیگر فرائض سے کیسے آگاہی پائی؟

ج: میں ۲۰۰۵ء میں مسلمان ہوا۔ نماز روزہ وغیرہ تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانے سے سیکھے۔ یہ حقیقت ہے کہ میں نے سارا دین تبلیغی جماعت ہی سے سیکھا۔ مولانا طارق جمیل میرے آئیڈیل ہیں۔ میری خواہش ہے کہ پاکستان جا کر ان سے ملاقات کروں۔

س: مسلمان ہونے کے بعد نکاح بھی کیا؟

ج: مولانا واصف ہی نے مجھے ایک دن کہا کہ آپ نکاح کر لیجیے۔ میں نے ہامی بھری۔ انھوں نے پوچھا، لڑکی کیسی ہونی چاہیے؟ میں نے جواب دیا، دین دار اور دین سکھانے والی ہو۔ مجھے اگلے دن مولانا واصف کا فون آیا کہ پرسوں دس بجے لڑکی کے گھر جانا ہے۔ میں نے کہا، ٹھیک ہے۔ مولانا نے کہا کہ نکاح سے قبل لڑکی دیکھنا چاہتے ہو؟ میں نے جواب دیا، نہیں، وہ بس نیک سیرت ہو اور مجھے دین سکھا سکے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے۔ وہ کہنے لگے ”لڑکی نیک سیرت لیکن معذور ہے۔“ میں یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ دین سیکھنے کے ساتھ ساتھ عالمہ کی خدمت کا ثواب الگ اور ایک معذور کا ثواب الگ مل رہا تھا۔ الحمد للہ ۲۵ نومبر ۲۰۰۷ء کو میں نے استخارے کے بعد ہاں کر دی۔ ۲ دسمبر ۲۰۰۷ء کو نکاح ہوا۔ ایک سالی کی کفالت بھی

میرے ذمے ہے۔ الحمد للہ اب میں محنت مزدوری کر کے بیوی بچوں کے ساتھ اس کی کفالت بھی کر رہا ہوں۔

س: اسلام قبول کرنے کے بعد والدہ سے ملاقات ہوئی؟

ج: جب بھائیوں نے مجھے مار کر بھگا دیا، تو ماں نے پیغام بھیجا، گھر نہ آنا، میں نے جب ملنا ہوا، باہر مل لوں گی۔ بھائی میری جان کے درپے تھے۔ لیکن ایک بار میں نہ رہ سکا۔ رات کو ماں سے ملنے چلا گیا۔ انھیں اپنے ساتھ ہمیں لے گیا اور ان کی خوب خدمت کی۔ جب ماں واپس پہنچی، تو بھائیوں نے سب رشتہ داروں کو بلالیا۔ انھیں بتایا کہ جیتندر نے اسلام قبول کر لیا ہے اور ماں اسے ملنے گئی تھی۔ اس پر ماں کو کافی تنگ کیا گیا۔

س: اسلام قبول کرنے سے قبل آپ کے مسلمانوں سے کیسے تعلقات تھے؟

ج: میں سماجی کارکن تھا۔ اس حیثیت سے اپنے علاقے میں نمایاں مقام رکھتا تھا۔ لوگ میری بات سنتے تھے۔ ایک بار مسلمان ایک مقام پر مسجد بنانا چاہتے تھے لیکن انتظامیہ رکاوٹ بن گئی۔ مسلمان چاہتے تھے کہ مسجد بن جائے۔ یوں شدید تناؤ کی کیفیت نے جنم لیا۔ مجھے ڈسٹرکٹ کلکٹر رتندر نے بلایا۔ میں وہاں پہنچا، تو اس نے کہا کہ مسجد گرانے کا آرڈر ہے۔ میں نے کہا کہ آپ مندر جاتے ہیں، اگر مسلمان مسجد جائے تو کیا گناہ ہے؟ وہ بگڑ گیا، کہنے لگا تم کون ہوتے ہو؟ یہ کہہ کر اس نے اپنا عملہ بلوایا اور زیر تعمیر مسجد گرا دی۔ اگلے چار دن چھٹیاں تھیں۔ میں نے اسی شام مسلمانوں کو بلایا اور ان سے دریافت کیا کہ اب کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ انھوں نے

کہا کہ ہم فوری طور پر مسجد تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ میں نے کہا، آپ مسجد تعمیر کر لیجیے، میں اپنی برادری کو دیکھ لوں گا۔ مسلمانوں نے بھاگ دوڑ کر کے سینٹ، اینٹ، سریا وغیرہ جمع کیا اور تین دن میں پکی مسجد تعمیر کر دی۔ اب حکومت یا سکھوں کے لیے اسے گرانا قانونی مسئلہ بن گیا۔ لہذا وہ ہاتھ ملتے رہ گئے اور کچھ نہ کر سکے۔

س: سکھ ہونے کے باوجود ایک طرف آپ نے مسجد تعمیر گرا دی، دوسری طرف بابری مسجد کی شہادت میں بھی حصہ لیا۔ بات کچھ سمجھ نہیں آتی؟

ج: دراصل میرے والد نے حکم دیا تھا کہ آرائس ایس کے ساتھ ایودھیا جاؤ۔ چنانچہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس گناہ میں شریک ہونا پڑا جس کا مجھے آج بھی بہت افسوس ہے۔

س: آپ بتا سکتے ہیں کہ بابری مسجد کی شہادت میں حصہ لینے والے آپ کے واقف کاروں پر کیا ہیتی؟

ج: استغفر اللہ! اللہ معاف فرمائے، میں خود تقریباً نیم پاگل ہو گیا۔ نہ سونے کی فکر نہ کھانے کی پروا! دکانداری سے دل اچاٹ ہو گیا لیکن اللہ نے مجھے بچالیا۔ مسجد شہید کرنے والوں میں ہمارے علاقے کا ڈاکٹر مہاج بھی شامل تھا۔ اس نے ایک بار گٹر کا پانی پی لیا۔ اسی کے زہر سے چل بسا۔ ایک اور نوجوان، اندرا پاگل ہو کر مرا۔ بقیہ لوگوں کی بھی ایسی ہی عبرت ناک داستانیں ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ڈراؤنے خواب دکھائے، تو ایسے لگا جیسے وہ کہہ رہے ہوں کہ سدھر جاؤ۔ یوں میں سیدھی راہ پر آ گیا۔

س: اسلام قبول کر لینے کے بعد بطور مسلمان آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمانوں میں کیا خامی ہے؟

بقیہ صفحہ (48) پر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام کا تصور جہاد

(قسط دوم)

اسلام اپنے اس حق سے بھی کسی طور دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں کہ وہ انسانوں کو بندوں کی آقا ئی سے نکال کر صرف ایک خدا کی بندگی پر جمع کرے!

اللہ تعالیٰ نے ایک معین عرصہ تک امت مسلمہ کو اگر جہاد سے روکا تھا تو یہ منصوبہ بندی کے طور پر تھا نہ کہ کسی اصول و ضابطے کی تعلیم تھی!

سید قطب شہیدؒ

تک کسی بیرونی جارحیت کا خطرہ نہ ہو، اسے کسی اقدام کی اجازت نہیں دیتا، فرق ظاہر ہے پہلی حالت میں وہ ایک زندہ اور متحرک قوت ہے، جب کہ دوسری صورت وہ تمام داخلی اور فطری محرکات عمل سے یک سر محروم ہو جاتا ہے۔ اسلام کی پیش قدمی اور حرکت پسندی کے وجوہ جواز زیادہ مؤثر اور واضح طور پر سمجھنے کے لئے یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ اسلام انسانی زندگی کا خدائی نظام ہے، یہ کسی انسان کا وضع کردہ نہیں ہے، نہ یہ کسی انسانی جماعت کا خود ساختہ مسلک ہے اور نہ یہ کسی مخصوص انسانی نسل کا یہ پیش کردہ طریق حیات۔ اسلام کی تحریک جہاد کے اسباب خارج میں ڈھونڈنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب ہماری نگاہوں سے یہ عظیم حقیقت اوجھل ہو جاتی ہے اور ہم بھول جاتے ہیں کہ دین کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت کے قیام کے ذریعے سارے مصنوعی خداؤں کی خدائی کی بساط لپیٹ دی جائے۔ یہ

ڈگر پر چلتے رہیں، اسلام انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے اور انہیں اپنی دعوت اور اپنے اعلان آزادی کی پیروی پر مجبور نہ کرے۔ مگر اسلام ان کے ساتھ ”جنگ بندی کا موقف اختیار نہیں کر سکتا۔“ الا یہ کہ وہ اسلام کے اقتدار کے آگے اپنا سر خم کر دیں اور جزیہ دینا قبول کر لیں۔ جو اس امر کی ضمانت ہوگا کہ انہوں نے دعوت اسلام کے لیے اپنے دروازے کھول دیئے ہیں، اور اس کی راہ میں کسی سیاسی طاقت کے بل پر روڑے نہیں اٹکائیں گے۔ اس دین کا یہی مزاج ہے اور اللہ کی عالمی ربوبیت کا اعلان اور مشرق و مغرب کے انسانوں کے لئے غیر اللہ کی بندگی سے نجات کا پیغام ہونے کی حیثیت سے اس کا یہ ناگزیر فرض بھی ہے۔ اسلام کے اس تصور میں اور اس تصور میں جو اسے جغرافیائی اور نسلی حدود میں مقید کر دیتا ہے، اور جب

جاہلیت کے مقابلے میں اسلام ”جنگ بندی نہیں کر سکتا لیکن اس حقیقت نفس الامری کے علاوہ ایک اور اٹل حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے جو اس پہلی حقیقت سے زیادہ اہم اور روشن ہے۔۔۔ اسلام کی فطرت کا یہ ایک اٹل تقاضا ہے کہ وہ بنی نوع انسان کو غیر اللہ کی بندگی کے گڑھے سے نکالنے کے لیے روزِ اوّل ہی سے پیش قدمی شروع کر دیتا ہے۔ لہذا اس کے لئے جغرافیائی حدود کی پابندی ناممکن ہے، اور نہ وہ نسلی حد بندیوں میں محصور ہو کر رہ سکتا ہے، اسے یہ گوارا نہیں ہے کہ وہ مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلی ہوئی پوری نوع انسانی کو شر و فساد اور بندگی غیر اللہ کا لقمہ بنتے دیکھے اور پھر اسے چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لے۔ اسلام کے مخالف کیپوں پر تو ایک ایسا وقت آ سکتا ہے کہ ان کی مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ اسلام کے خلاف کوئی جارحانہ کاروائی نہ کی جائے بشرطیکہ اسلام انہیں اس بات کی اجازت دیدے کہ وہ اپنے علاقائی حدود کے اندر رہ کر بندگی غیر اللہ کی

ناممکن ہے کہ انسان اس اہم اور فیصلہ کن حقیقت کو اپنے ذہن میں ہر وقت تازہ بھی رکھے اور پھر جہاد اسلامی کے سلسلے میں کسی خارجی وجہ جواز کی تلاش و جستجو میں سرگرداں بھی ہو۔

اسلام کے بارے میں دو تصور اور ان کا فرق !!!
اسلام کے ان دو تصوروں کے درمیان جو فرق ہے اس کا صحیح اندازہ سفر کی پہلی منزل پر نہیں ہو سکتا۔ ایک تصور تو یہ ہے کہ اسلام کو جاہلیت کے خلاف غیر ارادی طور پر جنگ لڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس لیے کہ اس کے وجود کا طبعی تقاضا تھا کہ جاہلی معاشرے اس پر حملہ آور ہوں اور اسلام بامر مجبوری مدافعت کے لیے اٹھ کھڑا ہو اور دوسرا تصور یہ ہے کہ اسلام لازماً بذاتِ خود شروع سے پیش قدمی کریگا اور بالآخر معرکہ کارزار میں داخل ہوگا۔ اختلاف مسلک کے آغاز میں تو ان دونوں تصورات کا باہمی فرق نمایاں طور پر واضح نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ دونوں حالتوں میں لازماً اسلام کو جنگ گاہ میں اترنا پڑیگا لیکن منزل پر پہنچ جانے کے بعد معلوم ہوگا کہ دونوں تصوروں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسلام کے بارے میں دونوں کے احساسات و جذبات میں اور خیالات اور تصورات میں بڑا بنیادی اور نازک سا فرق ہے۔ اس خیال میں کہ اسلام الہی نظامِ حیات بہت بڑا اور غیر معمولی فرق ہے۔ اوّل الذکر خیال کے مطابق اسلام دنیا میں اس لیے آیا ہے کہ وہ خدا کی زمین پر خدا کی حکومت کا اعلان کرے، اور تمام انسانوں کو ایک الہ کی بندگی کی دعوت دے، اور اپنے اعلان اور دعوت کو عملی سانچے میں ڈھالے، اور پھر ایک ایسا معاشرہ تیار کرے جس میں انسان

انسانوں کی بندگی سے آزاد ہوں اور بندگی رب پر جمع ہوں، ان پر صرف شریعت الہی جو اللہ تعالیٰ کے بالاتر اقتدار کی نمائندگی کرتی ہے، حکمران ہو۔ صرف اسی اسلام کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ان تمام موانع کو زائل کرے جو اس کے راستے میں حائل ہوں تاکہ وہ ریاست کے سیاسی نظام یا انسانوں کی خود ساختہ معاشرتی روایات کی دیواروں کو ڈھانے کے بعد افراد کے عقل و وجدان سے آزادانہ اپیل کر سکے۔۔۔۔۔ ثانی الذکر خیال کی رو سے اسلام محض ایک وطنی نظام ہے اور اسے صرف اتنا حق حاصل ہے کہ اس کی علاقائی حدود پر جب کوئی طاقت حملہ کرے تو وہ اپنا دفاع کرے۔ اب یہ دونوں تصور آپ کے سامنے ہیں۔ بے شک اسلام دونوں حالتوں میں جہاد کو قائم کرتا ہے، لیکن دونوں حالتوں میں جہاد کے محرکات، جہاد کے مقاصد اور جہاد کے نتائج سے جو دو عملی تصویریں بنتی ہیں وہ ایک دوسرے سے بے حد مختلف ہیں۔ فکر و نظر کے لحاظ سے بھی اور منصوبہ و رجحان کے اعتبار سے بھی۔ بے شک اسلام کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ابتداء ہی پیش قدمی سے کرے۔ اسلام کسی قوم یا وطن کی میراث نہیں ہے، یہ خدا کا دین ہے اور تمام دنیا کے لیے ہے۔ اسے یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ ان موانع کا پاش پاش کر دے جو روایات اور نظاموں کی شکل میں پائے جاتے ہیں اور جو انسان کی آزادی انتخاب کو پابند سلاسل کرتے ہیں۔ وہ افراد پر حملہ نہیں کرتا اور نہ ان پر اپنا عقیدہ زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے، وہ صرف حالات و نظریات سے تعرض (مدخلت) کرتا ہے تاکہ افراد انسانی کو ان فاسد اور زہریلے اثرات سے بچائے

جسوں نے ان کی فطرت کو مسخ کر دیا ہے اور ان کی آزادی انتخاب کو پامال کر رکھا ہے۔
اسلام اپنے اس حق سے بھی کسی طور دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں کہ وہ انسانوں کو بندوں کی آقائی سے نکال کر صرف ایک خدا کی بندگی پر جمع کرے۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور انسانوں کی آزادی کامل کی تحریک کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکے۔ تصور اسلامی اور امر واقع دونوں کے نقطہ نظر سے اللہ تعالیٰ کی بندگی اپنی پوری شان سے صرف اسلامی نظام ہی کے سائے میں رو بہ عمل آ سکتی ہے۔ اسلامی نظام ہی ایک ایسا منفرد نظام ہے جس میں تمام انسانوں کا خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم، کالے ہوں یا گورے، غریب ہوں یا امیر، قریب کے ہوں یا دور کے، صرف اللہ تعالیٰ ہی قانون ساز ہوتا ہے، اور اس کا قانون سب کے لیے برابر ہوتا ہے اور سب انسان یکساں طور پر اس کے آگے سرنگوں ہوتے ہیں۔ رہے دوسرے نظامہائے حیات تو ان میں انسان اپنے ہی جیسے انسانوں کی بندگی کرتے ہیں، اور وہ اپنے ہی جیسے انسانوں کی گھڑی ہوئی شریعت کی اطاعت کرتے ہیں۔ ”شریعت سازی“ الوہیت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے۔ جو انسان یہ دعویٰ کرے کہ انسانوں کے لیے حسبِ منشا قانون بنانے کا اسے اختیار ہے تو بالفاظِ دیگر اس کے دعوے کا مطلب یہ ہے کہ وہ الوہیت کا مدعی ہے، خواہ، وہ زبان سے الوہیت کا دعویٰ کرے یا نہ کرے۔ جو شخص ایسے مدعی کا یہ حق (یعنی آزادانہ قانون سازی کا حق) تسلیم کرے گویا اس نے اس کے حق الوہیت کو تسلیم کیا چاہے وہ اسے الوہیت کا نام دے یا اس کے لیے کچھ دوسرے نام

اور اصطلاحیں تجویز کرتا پھرے۔ اسلام محض عقیدہ و فکر کا نام نہیں ہے کہ وہ لوگوں تک محض وعظ و بیان کے ذریعے اپنا پیغام پہنچا دینے پر اکتفا کر لے۔ اسلام ایک طریق زندگی ہے جو منظم تحریک کی صورت میں انسان کی آزادی کے لیے عملی اقدام کرتا ہے۔ غیر اسلامی معاشرے اور نظامہائے حیات اسے یہ موقع نہیں دیتے کہ وہ اپنے نام لیواؤں کو اپنے طریق کار کے تحت منظم کر سکے۔ اس لیے اسلام کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے نظاموں کو، جو انسان کی آزائی کامل کے لیے سدِ راہ بن رہے ہوں، ختم کرے۔ صرف اسی صورت میں دین پورے کا پورا اللہ کے لیے قائم ہو سکتا ہے۔ پھر نہ کسی انسان کا اقتدار باقی رہے گا اور نہ کسی انسان کی بندگی کا سوال پیدا ہوگا جیسا کہ دوسرے نظامہائے زندگی کا حال ہے جو انسان کی آقائی اور انسان کی بندگی پر اپنی عمارت قائم کرتے ہیں۔

اسلام میں مغرب کے تصورِ جہاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہمارے وہ مسلمان محقق جو حالتِ حاضرہ کے دباؤ اور مستشرقین کی مکارانہ تنقیدوں سے مرعوب ہیں وہ اسلام کی مذکورہ بالا حقیقت کے اظہار و اثبات کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔ مستشرقین نے اسلام کی جو تصویر بنائی ہے اس میں اسلام کو ایک خون آشام تحریک کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، جو شمشیر بدست انسانوں پر اپنے عقائد و نظریات ٹھونستی پھرتی ہے۔ یہ بدطینت مستشرقین خوب جانتے ہیں کہ اسلام اس تصور سے قطعاً خوب پاک ہے۔ لیکن اس ہتھکنڈے سے کام لیکر دراصل وہ اسلامی جہاد کے اصل محرکات و اسباب کو مخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر ہمارے مسلمان

محققین۔ یہی شکست خوردہ محققین۔ اسلام کی پیشانی سے ”داغ“ کو دھونے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایسے دلائل کی تلاش میں لگ جاتے ہیں جن سے وہ یہ ثابت کر سکیں کہ اسلام میں جہاد سے مراد صرف ”مدافعتہ جنگ“ ہے۔ حالانکہ یہ لوگ اسلام کی فطرت اور اس کے اصل کارنامے سے قطعاً نااہل ہیں، انہیں یہ تک معلوم نہیں ہے کہ اسلام ”ایک عالمی اور انسانی مذہب“ کا یہ ناگزیر حق ہے کہ وہ انسانوں کی آزادی کے لیے خود اقدام کرے۔ عصر حاضر کے ان مرعوب و ہزیمت خوردہ اربابِ تحقیق کے ذہنوں پر دین کا وہ تصور غالب ہے جو اصلاً مغرب کا تصورِ مذہب ہے۔ مغربی تصور کے لحاظ سے دین محض ایک عقیدہ کا نام ہے، اس کا مقام ضمیر ہے، زندگی کے عملی نظام سے اسے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین کے نام پر جب کوئی جنگ لڑی جاتی ہے تو اہل مغرب کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ دوسروں پر اپنا عقیدہ اور نظریہ جنگ کے ذریعے زبردستی ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ لیکن اسلام میں دین کا یہ تصور کبھی نہیں رہا، اور نہ اس تصور کے تحت اس نے کبھی علمِ جہاد بلند کیا ہے۔ اسلام انسانی زندگی کا خدائی نظام ہے، جو صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کا قائل ہے، اس کے نزدیک الوہیت کا صحیح مظہر حاکمیتِ خدا ہے۔ اسی طرح یہ نظام انسان کی عملی زندگی کے بڑے سے بڑے مسائل سے لے کر روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے معاملات کی مکمل تنظیم کرتا ہے۔ اس کا نظام جہاد دراصل اس خدائی نظام کو برپا کرنے اور اسے غالب کرنے کی کوشش ہی کا دوسرا نام ہے۔ رہا عقیدہ کا معاملہ تو ظاہر ہے کہ اس کا تعلق

آزادی رائے سے ہے، اسلام چاہتا ہے کہ انسانی رائے کو متاثر کرنے کی راہ میں حائل ہونے والی تمام رکاوٹیں دور ہوں اور ہمہ پہلو اسلام کا نظام غالب ہو جائے، فرد کو ہر قسم کے عقیدہ اور نظریہ کے رد و قبول کی آزادی ہو، اور وہ اپنی آزاد مرضی سے جو عقیدہ چاہے اختیار کر سکے۔ ظاہر ہے کہ دین کا یہ نقشہ اس نقشے سے اپنی اساسی نظریات اور تفصیل دونوں کے لحاظ سے سرتاپا مختلف ہے جو مغرب نے پیش کیا ہے۔ چنانچہ جہاں کہیں ایسا اسلامی معاشرہ پایا جاتا ہے جو الہی نظام حیات کی عملی تفسیر و تعبیر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اقدام کرے اور آگے بڑھ کر اقتدار کی زمام ہاتھ میں سنبھال لے اور جریدہ عالم پر الہی نظام حیات کا نقش ثابت کر دے۔ البتہ عقیدہ اور ایمان کے مسئلے کو وہ انسان کے وجدان اور آزاد رائے پر چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک معین عرصہ تک امتِ مسلمہ کو اگر جہاد سے روکا تھا تو یہ منصوبہ بندی کے طور پر تھا نہ کہ کسی اصول و ضابطے کی تعلیم تھی۔ یہ تحریک کے ایک خاص مرحلے کی ضروریات کا مسئلہ تھا، نہ کہ اسلام کے بنیادی عقیدہ اور نظریہ کا مسئلہ۔ اسی واضح بنیاد کی روشنی میں ہمیں قرآن مجید کی بکثرت ایسی آیات کا مفہوم سمجھ میں آ سکتا ہے جن کا تعلق تحریک کے بدلتے ہوئے مراحل سے رہا ہے۔ ان آیات کو پڑھتے وقت ہمیں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ان کا ایک مفہوم وہ ہے جو اس مرحلے کے ساتھ وابستہ ہے جس میں یہ نازل ہوئی تھیں اور دوسرا ان کا عمومی مفہوم ہے جس کا تعلق اسلامی تحریک کی ناقابلِ تغیر اور ابدی شاہراہ حیات سے ہے۔ ہمیں ان دونوں حقیقتوں کو کبھی گڈ نہ نہیں کرنا چاہیے۔

اسلامی نظام معیشت

چند نمایاں پہلو



رضی الدین سید

کلیے پر بہت ہی کم عمل ہوتا ہے۔ تاہم اپنی جگہ پر یہ بات بھی بہت اہمیت کی حامل ہے کہ اگر طلب بڑھ بھی جائے تب بھی اشیا کی قیمتیں بڑھا دینا محض منافع خوری اور بے رحمی کا ایک طریقہ ہے۔ ان ’سنہری‘ موقعوں پر تاجران و صنعت کاران کی دیرینہ تمنا ہوتی ہے کہ مذکورہ اصول کو آڑ بنا کر ڈھیروں منافع ایک ساتھ کما لیا جائے۔ حالانکہ انسان دوستی کے لحاظ سے اگر اس طرزِ عمل کا جائزہ لیا جائے تو یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب ضرورت کے مارے ہوئے لوگوں کو کم از کم پرانی قیمت پر تو اشیا کی فراہمی جاری رکھی ہی جانی چاہیے۔ انسانوں کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر بے رحمی سے اپنی جیبیں بھرنا مغربی طرزِ معیشت تو ہوسکتا ہے، اسلامی نہیں۔ اگر مارکیٹ میں اشیا کی قلت پائی جاتی ہے اور ان کی مانگ میں اضافہ ہو گیا ہے تو وہاں موجود

کے اقدامات سے سنگ دلی، انسانوں کی بے احترامی اور آمد و خرچ میں استحصال کا راستہ کھلتا ہے۔ مغربی نظام معیشت کا رائج الوقت مادی اصول یہ ہے کہ قیمتوں کا تعین طلب و رسد کی فضا سے ہوتا ہے۔ بظاہر دل کو لگنے والا یہ اصول اندر سے دراصل ایک جارج اصول ہے۔ مغربی ماہرین معیشت فرماتے ہیں کہ مارکیٹ میں جب طلب اشیا میں اضافہ ہوگا تو لازم ہے کہ وہاں قیمتوں میں بھی اسی حساب سے اضافہ ہو، اور جب رسد اشیا (supply) میں اضافہ ہوگا تو قدرتی طور پر اشیا کی قیمتوں میں بھی اسی حساب سے کمی ہوگی۔ حالانکہ دیکھا گیا ہے کہ جب اشیا کی رسد میں اضافہ ہوا ہے تو عموماً ان اشیا کی قیمتیں نہیں گرسکتی ہیں، یا اگر گرائی گئی ہیں تو متناسب لحاظ سے نہیں گرائی گئی ہیں۔ خصوصاً ترقی پذیر اور پس ماندہ ممالک میں تو اس

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کا نظام معیشت ایک مستحکم اور پُر رحمت معاشی نظام ہے، جس کی بنیاد انسان دوستی پر ہے۔ ”جو کچھ ہے، انسان کے لیے ہے اور جو کچھ بھی کیا جائے گا، انسانوں ہی کے لیے کیا جائے گا“، یعنی اصل اہمیت انسان کی اور اُسے آسانی اور سہولت مہیا کرنے کی ہے، جب کہ دیگر معاشی نظاموں میں ذاتی مفادات، خواہشاتِ نفس اور پرستش دولت و وقار کو تمام تر اہمیت حاصل ہے۔ یہ ایک بہت بڑا جوہری فرق ہے جو اسلامی اور غیر اسلامی معاشی نظاموں کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ لہذا بنیادی مقاصد کے شدید اختلاف کے باعث ہی ہر دو کے معاشی اقدامات بھی بالکل جدا جدا ہوتے ہیں۔ ایک کے اقدامات انسانوں کے باہمی احترام اور ان کی لازوال فلاح و بہبود کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، جب کہ دوسرے نظام

ذخیرہ اشیا کو تو بہر حال ایک مقام پر آ کے ختم ہو ہی جانا ہے، خواہ پرانی قیمت پر فروخت کر کے یا خواہ من مانی زائد قیمت پر نکاسی کر کے۔ اس لیے ایسے موقعوں پر بے حسی اختیار کرنا اور ناجائز منافع خوری کا فیصلہ کرنا کہاں کی انسان دوستی اور کہاں کا 'سنہرا' اصول ہے؟ اس کے برعکس اسلامی نظامِ معیشت ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ضرورت کے موقعوں پر ہم اپنے بھائیوں کے لیے دستِ تعاون مزید دراز کریں اور منافع جاتی لحاظ سے اگر قیمتیں کم نہ کر سکیں تو انھیں کم از کم اتنی بلندی پر تو نہ لے جائیں کہ ضرورت مند فرد سسکنے اور مرنے پر تیار ہو جائے۔ خلیفہ ثانی حضرت عثمان غنی بذاتِ خود ایک بڑے تاجر و کامیاب در آمد و بر آمد کنندہ تھے۔ لیکن مکے کے ایک سنگین قحط کے دوران آپ نے اشیائے خورد و نوش سے بھرے ہوئے کئی اُونٹوں کو مکے کے شہریوں میں فی سبیل اللہ محض مفت تقسیم کروا دیا حالانکہ مکے کے تمام بڑے تاجر آپ کو مذکورہ مال کی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر پیش کش کر رہے تھے۔ کیا حضرت عثمان کے لیے یہ ایک بہترین موقع نہیں تھا کہ وہ بھی ایک عام تاجر کی مانند مذکورہ اصول پر عمل کر کے زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹ لیتے؟ لیکن اس موقع پر انھوں نے محض خوفِ خدا اور انسان دوستی کا ثبوت دیا۔ اسلام دراصل کاروباری شخصیات کو آنے والی دوسری دنیا کے منافع کی طرف بھی متوجہ رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔ معیشت کے سلسلے میں ایک معروف حدیث یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ مزدور کو مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔ اگرچہ یہ ایک مختصر سی

ہدایت ہے لیکن اپنی روح کے اعتبار سے یہ ایک ایسا زریں اصول ہے جس کی بنیاد پر ملازمین کو دکھ اور غم سہنے کا کوئی موقع ہی نہ ملے۔ پسینہ خشک ہونے سے قبل ہی ادائیگی کر دینے کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اوّل تو ملازم کو اس کی گھریلو معیشت چلانے میں کبھی کوئی دقت پیش نہ

صاحبِ ثروت لوگوں سے مقابلہ کر کے گویا ہم اپنی ذاتی معیشت کو خود ہی غیر متوازن کرنے کا سامان کرتے ہیں، اور حسد، طبقاتی کش مکش، حرام آمدنی اور قرض کے دروازے کھولنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اپنے سے کم حیثیت افراد کی زندگیوں کو سامنے رکھ کر ہماری اپنی زندگی میں اطمینان و قناعت کا رنگ ابھرتا ہے

آئے، اور دوسرے آجر کے خلاف اس کے دل میں کبھی کوئی کینہ نہ پیدا ہو۔ ملازموں سے کام تو پورا لینا لیکن معارضوں کے لیے انھیں تڑپانا، استحصال نہیں تو اور کیا ہے! ہمارے تمام آجران اگر اس سنہرے اصول پر عمل کرنا شروع کر دیں تو ملازموں کی جانب سے انھیں کبھی ہڑتال یا فیکٹری کا پھیر آہستہ کر دو اور مظاہروں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ خود صنعتی امن قائم رکھنے کے لیے بھی یہ ایک سنہرا اصول ہے۔ ایک دوسری ہدایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر تمہارا غلام (ملازم) دھوئیں، گرمی اور دھوپ سے گزر کر تمہارے کھانے کے لیے کچھ لائے تو تم پر لازم ہے کہ اس کھانے میں سے کچھ حصہ اسے بھی دیا کرو۔ یہ ہدایت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے جاری فرمائی کہ خوراک کی تیاری کی مشقت کے بعد اس خوراک میں ملازم کا حصہ از خود بن جاتا ہے۔ یہ اصول گویا ملازموں کے اضافی فوائد، مثلاً بونس، گریجویٹی اور دیگر فوائد کی طرف رہنمائی کرتا ہے کیونکہ کھانا پکانے کی تنخواہ تو ملازم کی پہلے سے طے ہوتی ہے، البتہ کھانا کھانا اس کا ایک اضافی حق بن جاتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک مختصر ہدایت ہے لیکن اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملازمین کے حقوق کا مزید تعین کیا ہے۔ یوں ایک طرف آجر و اجیر کے درمیان بہترین رشتہ استوار ہوتا ہے، اور دوسری جانب ملازم کو بھی ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ ایک اور اہم ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ معیشت کے معاملے میں تم اپنے سے نیچے والوں کو دیکھو جب کہ نیکیوں کے معاملے میں تم اپنے سے اوپر والوں کو دیکھو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مختصر سی ہدایت کیا ہے، گویا ہماری زندگی کے بہت سے معاملات کو از خود درست کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ کھاتے پیتے اور صاحبِ ثروت لوگوں سے مقابلہ کر کے گویا ہم اپنی ذاتی معیشت کو خود ہی غیر متوازن کرنے کا سامان کرتے ہیں، اور حسد، طبقاتی کش مکش، حرام آمدنی اور قرض کے دروازے کھولنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اپنے سے کم حیثیت افراد کی زندگیوں کو سامنے رکھ کر ہماری اپنی زندگی میں اطمینان و قناعت کا رنگ ابھرتا ہے بلکہ اس کے برعکس یہ جذبہ بھی زور کرتا ہے کہ کیوں نہ ہم بھی ان کم استطاعت والے اپنے بھائیوں کی مدد کو آگے بڑھیں۔ یہ ہدایت بھی گویا فضولِ معاشی کش مکش اور بے جا اصراف کی جڑ کاٹتی ہے۔ معاشی حالات مزید درست کرنے کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

ہی نوعیت کی مزید کئی اور ہدایات بھی دی ہیں۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”محنت اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منکرین زکوٰۃ سے جہاد کرتے وقت دو ٹوک

الفاظ میں کہا تھا کہ اگر انھوں نے زکوٰۃ کی مد میں اُونٹ کی ایک رسی بھی

روٹی تو میں ان سے ضرور جہاد کروں گا

جدوجہد کر کے رزق حاصل کرنے والا شخص اللہ کا بہت محبوب ہوتا ہے۔“ ایک موقع پر آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ بے عمل بن کر تم مسلمانوں (معاشرے) پر بوجھ نہ بنو۔ اسی کے ساتھ آپ ﷺ نے یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ بظاہر ایک ایک سطر کے یہ تین مختصر سے ارشادات ہیں لیکن دیکھا جائے تو ان میں انسانی زندگی کی کم از کم آدھی معیشت پنہاں ہے۔ معیشت کا تمام تر دارومدار دراصل معاشی نقل و حرکت اور پیداواری عمل میں شرکت پر ہوتا ہے۔ معاشی سرگرمی جتنی تیز اور پیداواری نقل و حرکت جتنی زیادہ ہوگی، معاشرے میں معاشی بہتری بھی اتنی ہی زیادہ آئے گی۔ اسی لیے ہدایت کی گئی ہے کہ انسان محنت مزدوری (پیداواری عمل) میں ضرور حصہ لے اور کمٹا بن کر گھر میں نہ بیٹھ جائے۔ اسے بھیک اور مفت خوری سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیے بلکہ معاشرے کا فعال حصہ بننا چاہیے، اور معاشرے پر کبھی بوجھ نہ بننا چاہیے۔ یہ تمام اقدامات نجی و ملکی معیشت درست کرنے کا آسان نسخہ ہیں۔ ہدایت کی گئی ہے کہ نیچے والا ہاتھ بننے کے بجائے اوپر والا ہاتھ بننے کی جدوجہد کرو کیونکہ نیچے والا ہاتھ عموماً غیر پیداواری (non-productive) ہوتا

موجود ہوں۔ وسائل نہ ہوں تو وہ بس قناعت ہی کا رویہ کیوں نہ اپنائے؟ یہ وہ معاشی سبق ہے جو ایک عام فرد پر منطبق ہونے کے ساتھ ساتھ اداروں اور حکومتوں پر بھی یکساں لاگو ہوتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس مختصر سی سنہری ہدایت پر عمل کر کے ہمارا وطن بھی ان بھاری قرضوں کی دلدل سے نکل سکے جن کے باعث ہمارے حکمرانوں نے اسے غیر ملکی قوتوں کے ہاتھوں میں دھکیل دیا ہے۔ دولت اگر تالوں اور خزانوں میں بند کر کے رکھ دی جائے اور اسے گردش میں نہ رکھا جائے تو معیشت پر اس کے ہمیشہ منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ معاشیات کا واضح کلیہ یہی ہے کہ دولت کو مسلسل گردش میں رکھا جائے۔ اسلام بھی اس اہم کلیے سے پوری طرح باخبر ہے۔ اسی لیے اس نے معاشرے میں سود کو جبراً روکنے اور زکوٰۃ کو قانوناً نافذ کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔ سودی نظام کے تحت سرمایہ کروڑوں لوگوں کے ہاتھوں سے نکل کر محض چند افراد کے ہاتھوں میں جمع ہوتا ہے، جب کہ نظام زکوٰۃ میں دولت چند صاحب ثروت لوگوں کے ہاتھوں سے نکل کر لاکھوں کمزور لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوتی ہے۔ دولت کو جمود سے روکنے اور زر کو گردش میں لانے کے لیے یہ ایک بہت بڑی ہدایت ہے۔ اسی لیے اسلام نے اس کے نفاذ کے لیے قوت کے استعمال کا بھی حکم دیا ہے، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منکرین زکوٰۃ سے جہاد کرتے وقت دو ٹوک الفاظ میں کہا تھا کہ اگر انھوں نے زکوٰۃ کی مد میں اُونٹ کی ایک رسی بھی روٹی تو میں ان سے ضرور جہاد کروں گا۔ زکوٰۃ کی مانند نبی کریم ﷺ نے انسانی ذاتی اقتصادیات درست رکھنے کی خاطر عید میں فطرے،

بقیہ: سیرت رسول ﷺ میں سادگی کے تابندہ نقوش

جس سے نمایاں ہو کر ظاہر ہوں، جب آپ ﷺ گھر میں ہوتے تو گھر کے کام کاج خود ہی کر لیا کرتے، اپنی بکری کا دودھ دوہتے، نیز دیگر امور میں ہاتھ بٹاتے، جب راستہ چلتے تو خود آگے اور دوسروں کے پیچھے چلنے کو ناپسند فرماتے، بلکہ صحابہ کرامؓ کو ساتھ ساتھ چلنے کی تلقین فرماتے، اسی طرز عمل کی بناء پر بعض دفعہ نو واردین آپ ﷺ کی پہچان میں شک و شبہ میں پڑ جاتے، چنانچہ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو اسی طرح کا واقعہ پیش آیا، الغرض آپ ﷺ کی کل زندگی سادگی سے عبارت تھی، آپ ﷺ کے ہر عمل سے سادگی ظاہر ہوتی تھی، ایک مومن ہونے کے ناطے ہمیں آپ ﷺ کی سادگی پر مرثیہ کی حسرت ہونی چاہیے، آپ ﷺ کے زہد و سادگی کے بے شمار واقعات کتب حدیث و سیر میں مذکور ہیں یہ تو سیرت نبویہ ﷺ کی چند جھلکیاں ہیں، آپ کی مکمل زندگی ہی سادگی سے عبارت ہے، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ سیرت مطہرہ کے ان تابناک درخشاں پہلوؤں کو اپنے لئے راہ عمل کے طور پر متعین کریں، اپنی نجی و خانگی زندگی میں اسے اپنائیں، اس سے زندگی میں صالحیت آئیگی، اور معاشرہ پر بھی صالح اثرات مرتب ہوں گے، نیز ہم اس خام خیالی میں نہ رہیں کہ سیرت کے چند جلسوں اور چند تقاریر و مضامین سے سیرت کا مقصد حاصل ہو جائیگا، بلکہ اس کیلئے مستقل جدوجہد اور عملی مشق کی ضرورت ہے، اور معمولات نبی ﷺ کو اپنانے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

چھوڑی تو اس کی ادائیگی کرنا ہماری (سربراہ مملکت کی) ذمہ داری ہے، جب کہ اس کی چھوڑی ہوئی وراثت سے ہمارا (ریاست کا) کوئی تعلق نہیں ہوگا، یعنی واجبات حکومت کے ہوں گے اور اثاثہ جات وارثین کے ہوں گے۔ انسان کی معاشی زندگی سدھارنے کی یہ کتنی بڑی ہدایت ہے جس کا اعلان اسلام از خود کرتا ہے۔

اسلامی نظام معیشت کے یہ چند نمایاں پہلو ہیں:

۲ قیمتوں کے تعین کے لیے طلب و رسد کے اصول کو استعمال نہ کیا جائے

۲ مزدور کو مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دی جائے

۲ ملازم کو اس کی محنت کے عوض حق اجرت کے علاوہ کچھ اور فوائد بھی پہنچائے جائیں

۲ معیشت کے معاملے میں اپنے سے نیچے والوں کو دیکھا جائے

۲ محنت اور جدوجہد کر کے رزق حاصل کیا جائے

۲ بے عمل بن کر معاشرے پر بوجھ نہ بنا جائے

۲ لینے والا ہاتھ بننے کے بجائے دینے والا ہاتھ بنا جائے

۲ خواہ مخواہ قرض لے کر خریداری نہ کی جائے

۲ زکوٰۃ ادا کی جائے

۲ سود کو ممنوع قرار دیا جائے

۲ مزدور کو اس کی صلاحیت کے مطابق پورا معاوضہ دیا جائے

۱۲ اسلامی حکومت جو کچھ نہیں رکھتے، کی کفالت کرے۔ ان قیمتی نکات پر اگر غور کیا جائے تو

ہر صاحب دانش پکاراٹھے گا کہ اقتصادیات کو کسی بھی

سطح پر درست کرنے کے لیے ان سے بہتر کوئی اور

اصول نہیں ہو سکتے۔

معذوری کی صورت میں روزوں کے فدیے اور عید الاضحیٰ میں قربانی کے گوشت کی تقسیم کی بھی ہدایت فرمائی ہیں تاکہ سرمایہ (روپیہ اور اشیا دونوں) گردش میں رہیں۔ زکوٰۃ کے علاوہ دیگر نفلی صدقات کے لیے بھی مسلمانوں کو مسلسل ابھارا گیا ہے۔ اسی طرح وراثت کے اسلامی اصولوں پر بھی سختی سے عمل درآمد کرنے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ جائیداد کی تقسیم آگے منتقل ہوتی رہے اور معاشرے میں آسودہ حال لوگوں کا تناسب بڑھتا رہے۔ ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا تھا: قیامت کے دن میں تین آدمیوں کا مخالف ہوں گا، جن میں سے ایک وہ ہوگا جو مالک ہے اور مزدور سے کام تو پورا لیتا ہے، لیکن اس کی مزدوری اس کی محنت و صلاحیت کے مطابق ادا نہیں کرتا۔ معاشرے کو استحصال اور نفرتوں سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ بھی ایک عمدہ معاشی ہدایت ہے جو اگرچہ مختصر ہے لیکن اپنے ہمہ گیر اثرات رکھتی ہے۔ پیداواری عمل میں مسلسل شرکت، راہ قناعت کی جانب رغبت، آجروں کے استحصالی رویے کی مذمت، اور ملازمین کے حقوق کے تحفظ کی مسلسل ہدایات کے باوجود معاشرے کا کوئی فرد یا گھرانہ اگر بے یار و مددگار، غربت کا شکار، اور لاوارث و لاچار رہتا ہے تو پھر حکومت (ریاست) خود اس شخص کی مدد کو آتی ہے اور اس کی تمام ضروریات کو اپنے سر لے لیتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقروض و صاحب اولاد فرد کی وفات کے بعد میں اس کا کفیل ہوں گا۔ اس کے وارثین اپنے مسائل کے حل کے لیے میرے (یعنی حکومت کے) پاس آئیں۔ نیز فرمایا: جس مرد و عورت نے اپنے پیچھے کوئی ذمہ داری



امت مسلمہ کی حقیقی ترقی

ناصر العمر

ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انہوں نے دنیوی میدان میں بڑی ترقی کر لی ہے لیکن دین و دنیا کی صحیح اور مکمل ترقی و عزت صرف اسی امت کے لیے ہی ہے، کیونکہ دوسری قومیں یا تو تحریف شدہ دین کی علمبردار ہیں یا شرک و کفر میں غرق ہیں اور یہ ترقی کیسی ترقی

میدان میں اور جسمانی ترقی کے میدان میں۔ جبکہ دوسری بنیادی چیزوں سے غفلت برت رہے ہیں جو کہ انسانی ترقی کے لئے لازمی ہیں جس سے بے نیازی ممکن نہیں ہے اور یہی بنیادی غلطی اور خرابی ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یورپ، امریکہ کی ترقی اور مشرق و مغرب کی تہذیب و تمدن کے بارے میں خواہ جتنی بھی باتیں کی جائیں مگر وہ جھوٹ سے خالی نہیں ہیں، ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انہوں نے دنیوی میدان میں بڑی ترقی کر لی ہے لیکن دین و دنیا کی صحیح اور مکمل ترقی و عزت صرف اسی امت کے لیے ہی ہے، کیونکہ دوسری قومیں یا تو تحریف شدہ دین کی علمبردار ہیں یا شرک و کفر میں غرق ہیں اور یہ ترقی کیسی ترقی۔ یہ عزت و شرافت کیا جو سرے سے ایمان باللہ کی نعمت سے خالی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے غور و فکر کرنے والوں

و مالدار کی بعد غربی اور محتاج سے اور شان و شوکت کے بعد ذلت اور پشیمانی سے، ایسے میں انسان اندر سے جل اٹھتا ہے اور اپنی پچھلی حالت کی واپسی کے لئے بالکل پریشان اور بے چینی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی بنیادی وجہ ہے ان چیخ و پکار کی جو ہم بیشتر مسلم ممالک میں دیکھتے ہیں کہ جمود سے ترقی کے لئے اور غفلت کی گہری نیند سے بیداری کے لئے آوازیں اٹھتی ہیں۔ مگر انتہائی افسوس کی بات ہے کہ اٹھنے والی ان آوازوں اور نعروں میں زیادہ تر ایسی ہیں جو حالات کے تجزیہ اور دریافت میں تنگ نظری کی شکار ہیں۔ اور اسباب کو محض مادی اور دنیوی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ امت کو صنعت و حرفت کے میدان میں بدسلوکی کی دعوت دے رہے ہیں یا زراعت و کاشتکاری کے میدان میں یا تعمیر اور عمرانیات کے

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ انسان اپنے حالات خوب سے خوب تر بنانے کے لئے جدوجہد کرتا ہے اور بہترین ترقی کے راستے پر اپنے آپ کو ڈالتا ہے اور یہ ایک فطری حقیقت ہے جو انسانی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے، اس لئے اس میں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے جب ہم روزہ مرہ کی زندگی میں انسانوں کو (زندگی کے) مختلف میدان میں آپس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھیں، خواہ یہ دوڑانفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر یا قومی سطح پر۔ انسان کی یہ تڑپ اور آرزو دو آتشہ ہو جاتی ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو برے یا ناپسندیدہ حال میں دیکھتا ہے اور اگر یہ حالت ناگہانی پیش آگئی ہو تو احساس کی شدت اور بڑھ جاتی ہے جیسے کہ وہ قوت و شوکت کے بعد کمزوری اور مغلوبیت سے دوچار ہو گیا ہو اور دولت

کے لئے اس عزت اور ترقی کے جھوٹ اور دھوکہ کو
بایں طور بیان فرمایا ہے۔ {إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ
(12) إِنَّهُ هُوَ يَجْعِدُ وَيُجِيدُ (13) وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ
(14) ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ (15) فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ
(16) هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ (17) فِرْعَوْنُ
وَمُؤَدِّ {البروج: 12-18}،

ترجمہ: بے شک تمہارے پروردگار کی پکڑ بڑی سخت
ہے، وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ
زندہ کرے گا، اور وہ بخشنے والا اور محبت کرنے والا
ہے، عرش کا مالک بڑی شان والا، جو چاہتا ہے کر
دیتا ہے، بھلا تم کو لشکروں کا حال معلوم ہوا ہے،
(یعنی) فرعون اور شمو دکا۔

یہ قومیں دنیوی طاقت و قوت اور اسباب و وسائل کی
آخری بلندی کو پہنچی ہوئی تھیں۔ آج تک بعض
چیزیں اس پر شاہد ہیں مگر آخر کار ان کا انجام کیا ہوا؟
اس لئے ہم جب بھی امت مسلمہ کی ترقی اور نشوونما
کی بات کریں تو ہمیں یہ بھولنا چاہئے کہ اس ترقی کی
بات ہم نہ کریں جو کچھ جنہوں میں ذرائع ابلاغ نے
بھردیا ہے بلکہ ہمیں اس حقیقت اور ہمہ جہت ترقی
کی بات کرنا چاہئے جو دین و دنیا دونوں کو شامل ہو
ایسی ترقی جو جدید عمرانیات کے اصول و مضوابط کے
ساتھ ساتھ اخروی زندگی کو نظر انداز نہ کرے۔

امت مسلمہ کی صورتحال آج کسی سے بھی پوشیدہ نہیں
ہے، عزت غلبہ، طاقت و قوت اور شان و شوکت کی
جگہ ذلت، کمزوری، مغلوبیت اور پشیمانی و بے بسی
نے لی ہے جو امت کل پیشوا و رہبر تھی آج وہی
دوسری قوموں کی قیادت کی محتاج ہے۔ دوسری
قومیں آج امت پر اسی طرح ٹوٹ پڑی ہیں جس
طرح کھانے والے (بھوکے لوگ) دسترخوان پر

ٹوٹ پڑتے ہیں، آج اس کی بنیادیں ہل رہی ہیں،
پراگندہ ہیں، اس کے مال و متاع پر ڈاکہ ڈالا جاتا
ہے، در در کی ٹھوکریں کھانے کے لئے مجبور ہے اور
دوسروں کے لئے لقمہ تر ہے۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے، جب
مسلمانوں کی اولین جماعت نے
دین متین کو مضبوطی سے تھاما تو اللہ
تعالیٰ نے ان کے لئے ملکوں کے
دروازے کھول دیے، اور بندوں
کے قلوب کو ان کے تابع فرمادیا،
قوموں نے ان کے سامنے ہتھیار
ڈال دیے، اور ہر جانب سے ان
کے لئے رزق آنے لگا، اور اللہ تعالیٰ نے
انہیں عزت بخشی،

جو یہ سمجھتا ہو کہ امت کے اس حال کی اصلاح اور
ترقی صرف مادی ترقی کے اسباب میں پوشیدہ ہیں،
(یہ خیال صحیح نہیں ہے) بلکہ اس امت کی عزت
و سر بلندی اپنے دین کو مضبوطی سے تھامنے میں مضمر
ہے نہ کہ اس کے علاوہ میں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:
{وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا
يَعْلَمُونَ} [المنافقون: 8]؛

ترجمہ: کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو
عزت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر
کریں گے۔ حالانکہ عزت خدا کی ہے اور اس کے
رسول کی اور مومنوں کی لیکن منافق نہیں جانتے۔
مومنین نے اس بات کو جانا تھا اور ان کا ایمان بھی

یہی تھا، اس سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ نے کہا تھا:
ہم ایک ذلیل و رسوا قوم تھی، اللہ تعالیٰ نے اسلام
کے ذریعے ہمیں عزت دی، ہم اسلام کے علاوہ
جہاں بھی عزت تلاش کریں اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل
و خوار کر دیں گے۔ [1]؛ تاریخ اس بات کی گواہ
ہے، جب مسلمانوں کی اولین جماعت نے دین
متین کو مضبوطی سے تھاما تو اللہ تعالیٰ نے ان کے
لئے ملکوں کے دروازے کھول دیے، اور بندوں
کے قلوب کو ان کے تابع فرمادیا، قوموں نے ان
کے سامنے ہتھیار ڈال دیے، اور ہر جانب سے ان
کے لئے رزق آنے لگا، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں
عزت بخشی، اور انہیں سردار و رہنما بنایا، اور پھر اس
امت نے بہت تھوڑے وقت میں ایسی مادی ترقی
کی، انسانی تاریخ کے صفحات ایسی مثال پیش کرنے
سے عاجز ہیں۔ لیکن جب مسلمانوں نے دین اسلام
سے آہستہ آہستہ کنارہ کشی اختیار کی تو پھر ان کے
ہاتھوں سے قیادت و سیادت رخصت ہونے لگی اور
انجام وہ ہوا جو آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

ہمیں کسی حال میں بھی صنعت، زراعت، تجارت
اور دیگر مادی ترقی کے اسباب سے کنارہ کشی نہیں
کرنی چاہئے، اسباب کو نظر انداز کرنا اور غفلت برتنا
بھی دین اسلام میں نہیں ہے، لیکن یہ بھی خیال رہے
کہ ہم ان اسباب و ذرائع کو آئندہ سطور میں مذکور
چند وجوہات کے سبب ہماری ترقی کی بنیاد نہ سمجھیں:

1- حقیقت یہ ہے کہ مادی اسباب کے اختیار کرنے
میں ترقی مضمر ہونا ضروری نہیں ہے، چونکہ 20 برس
پہلے ماہرین کہتے تھے کہ ہمارے اور مغرب کے
مابین سو برس کی دراڑ ہے، وہ اپنی سرعت ترقی اور
ہمارے سست روی کے سبب زیادہ نفع حاصل کرنے

والے ہیں، لہذا محض ان اسباب اور مادی اندازوں کا سہارا لینا مایوسی، ہزیمت اور ناامیدی کو جنم دیتا ہے۔ 2- تاریخ گواہ ہے کہ آغاز اسلام کے وقت دین اسلام اور اس کے دشمنوں کے مابین مادی فرق ویسا ہی تھا جیسا آج ہمارے اور مشرق و مغرب کے

تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم؛ امیر المومنین ہارون رشید کی جانب سے روم

کے کتے تقفور کے نام؛ اے کافر کی اولاد، ہم نے تمہارا مکتوب ملاحظہ

کیا، اور جواب تمہاری آنکھوں اور کانوں کے سامنے ہے،

درمیان ہے، ان دنوں دشمنان اسلام عربوں کو ایک فقیر، کمزور و لاغر اور بچھڑی ہوئی قوم سمجھتے تھے، چند ہی برس کے بعد اس امت کو روئے زمین پر بسنے والی ساری اقوام کی قیادت کا علمبردار بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اسے یہ شرف کسی امت کے ساتھ مادی اسباب میں مقابلہ کرنے سے حاصل نہیں ہوا تھا، بلکہ اسے یہ شرف دین حنیف کی لگام کو سنبھالنے اور پھر مادی اسباب کو اختیار کرنے سے حاصل ہوا تھا۔ 3- اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا جس میں کسی قسم کا کوئی شک ہے اور نہ شبہ کہ قیادت و سیادت اور جانشینی کا حصول اس دین کے اتباع میں مضمر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:- {وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ} [النور: 55]،

ترجمہ: جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ایمان کو اور پھر عمل صالح یعنی نیک عمل کو بنیاد قرار دیا جس کی بنیاد پر جانشینی کے لئے درکار مادی اسباب بھی عمل صالح میں داخل ہو جاتے ہیں۔ وہ ترقی جس کی ہم آواز لگا رہے ہیں ایسی ترقی ہو جو امت کو دوبارہ عزت و شرف اور مجد و بزرگی کے مقام پر پہنچائے۔ جیسے ایک روز خلیفہ ہارون رشید نے ایک بادل دیکھا، اور کہا: جہاں چاہو برس پڑو تمہارا خراج ہمیں ہی ملے گا؛ اس لئے کہ تم یا تو مسلمانوں کے ملک میں برسو گے یا پھر ایسے ملک میں برسو گے جو مسلمانوں کو جزیہ ادا کرتا ہو۔ ایسی ترقی ہو جیسے ایک روز روم کے بادشاہ نے جزیہ کی ادائیگی سے انکار کیا اور خلیفہ ہارون رشید سے یہ مطالبہ کیا کہ انھوں نے اب تک جتنا جزیہ حاصل کیا ہے پورا واپس کرے۔ خلیفہ ہارون رشید نے بادشاہ کے نام ایک مکتوب روانہ کیا: بسم اللہ الرحمن الرحیم، امیر المومنین ہارون رشید کی جانب سے روم کے کتے تقفور کے نام؛ اے کافر کی

اولاد، ہم نے تمہارا مکتوب ملاحظہ کیا، اور جواب تمہاری آنکھوں اور کانوں کے سامنے ہے، والسلام" [2]، اور خلیفہ ہارون رشید نے ایک عظیم

لشکر روانہ کیا، اور اس کے ساتھ لڑائی ہوئی، یہاں تک کہ بادشاہ نے جزیہ کی ادائیگی پر صلح کا مطالبہ کیا، اور کسی قسم کے سفارتی نوازشات کو قبول نہیں کیا۔

ہم ایسی ترقی اور عزت کی آواز لگا رہے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ یہ ہو کر رہے گا، ہمارا یہ دعویٰ انکل پچو نہیں ہے بلکہ یہ نبی پاک ﷺ کی زبانی بہت ساری احادیث میں وارد اللہ تعالیٰ کے وعدے کی تصدیق اور اس پر ایمان ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: روئے زمین پر مٹی اور پتھر کا کوئی مکان باقی نہیں رہے گا مگر اللہ تعالیٰ اس میں عزت والے کی عزت سے اور ذلیل کی ذلت سے اسلام کو داخل کریں گے، اللہ تعالیٰ یا تو انہیں عزت بخشے گا تو وہ اہل اسلام میں ہوں گے یا پھر انہیں ذلت دے گا تو وہ اس کے (دین) کے تابع ہو جائیں گے [3]۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ لیا ہے، تو میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھا، اور میری امت کا اقتدار زمین میں وہاں تک ہوگا جہاں تک میرے لئے اسے سمیٹا گیا۔

[4]؛ اس یقین کے بعد مجھے یہ بھی یقین ہے کہ امت کو اس قیادت کے لئے سونے کی پلیٹ نہیں آئے گی، جبکہ یہ امت غفلت اور کاہلی کا شکار ہے۔ امت کو تو چاہئے کہ وہ اسباب کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور بھروسہ کرے،

-- کاش کہ ہماری قوم جان لیتی --

بندہ مومن کا اخلاق



(قسط دوم)

بدرالاسلام

”مومنوں میں سے زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں جو ان میں سے اخلاق کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہیں۔“

انسان اخلاق ہی سے بنتا ہے اور عمدہ سیرت سب سے بڑی سفارش ہوتی ہے اور انسان کی پہچان بھی اخلاق سے ہوتی ہے!

اللہ رب العزت مسلمانوں اور کافروں کے متعلق اخلاق کی وضاحت کرتے ہوئے مزید ارشاد فرماتے ہیں۔ "لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ، إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ" إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَهَرُوا عَلَيْكُمْ أَنْ تُؤَلَّفُوهُمْ، وَمَنْ يُؤَلَّفْهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ" اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتے کہ جن لوگوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، ان کے ساتھ تم کوئی نیکی کا یا انصاف کا معاملہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو تمہیں اس بات سے منع کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ دین کے معاملے میں جنگ کی ہے، اور تمہیں اپنے گھروں سے نکالا ہے، اور تمہیں نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے، تم ان سے دوستی رکھو۔ اور جو لوگ ان سے دوستی رکھیں گے، وہ

ظالم ہیں! (سورہ ممتحنہ)۔ "اَلْحُبُّ لِلَّهِ، وَالْبُغْضُ لِلَّهِ" کے اصول کے تحت صحابہ کرام کی محبت جہاں اللہ کے لئے تھی، وہیں ان کی نفرتیں بھی اللہ ہی کے لئے تھیں۔ چونکہ دنیا نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے زیر نگین کافروں، ذمیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا وہ برتاؤ کیا کہ ان کے دل جیت لئے اور انہوں نے بھی راضی خوشی اسلام کے دامن میں آنے میں ہی اپنی دنیا و آخرت کی بھلائی جانی۔ یہ جو چند لبرل اور بے دین قسم کے لوگ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلایا اخلاق سے؟ ہم دعوت دیتے ہیں انہیں کہ وہ بھی تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں، ان شاء اللہ انہیں بھی سمجھ آ جائے گی کہ نبی ﷺ کے حکم کے مطابق تلوار بھی جہاں چلی وہ عین اخلاق ہی تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین خلیفہ دوم سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ ایک مکان پر تشریف لے گئے دیکھا تو ایک بوڑھا نابینا بھیک مانگ رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں ”یہودی“ ہوں۔ آپؓ نے

دریافت کیا تجھے کس چیز نے بھیک مانگنے پر مجبور کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اداءِ جزیہ، معاشی ضرورت، اور بڑھاپے نے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے مکان پر لے جا کر جو موجود تھا اس کو دیا پھر بیت المال کے خزانچی کے پاس فرمان بھیجا۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے حاجت مندوں کو تلاش کرو، خدا کی قسم ہم ہر گز انصاف پسند نہیں ہو سکتے اگر ان (ذمیوں) کی جوانی کی محنت (جزیہ) تو کھائیں اور ان کے بڑھاپے کے وقت ان کو بھیک کی ذلت کے لئے چھوڑ دیں، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام ایسے لوگوں سے جزیہ بھی معاف کر دیا اور ان کا وظیفہ بھی بیت المال سے مقرر کر دیا۔ امیر المؤمنین خلیفہ چہارم سیدنا حضرت علیؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ ایک کافر کو قتل کرنے کے واسطے اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے اس نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا آپ فوراً اس کے سینے پر سے اتر گئے اور اس کو چھوڑ دیا۔ اس نے پوچھا باوجود اس کے کہ آپ مجھ

پر غالب ہو گئے تھے اور میں پوری طرح آپ کے قبضہ میں آ گیا تھا پھر آپ کی گستاخی بھی کی، باوجود ان تمام باتوں کے کیا ہوا کہ آپ نے مجھے چھوڑ دیا اور قتل نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تیرے تھوکنے سے پہلے تو میری نیت خالص اللہ ہی کے لئے تھی لیکن اگر اب میں تجھے قتل کرتا تو اس میں میرا ذاتی غصہ بھی شامل ہو جاتا اسی لئے میں نے تجھے چھوڑ دیا آپؐ کا یہ عمل دیکھ کر وہ شخص جو کچھ دیر پہلے اسلام کا دشمن تھا اور اسلام کو مٹانا چاہتا تھا، اسلام قبول کر لیا اور اسلام کا محافظ بن گیا۔ بعض مفسرین نے یہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن صحابہ کرامؓ کے چہرے روشن ہوں گے ان کے ذریعہ پہچانے جائیں گے کہ یہ لوگ نماز پڑھنے میں زیادہ مشغول رہتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے وہ اس سے اچھی عادت اور خصلت اور خشوع و تواضع مراد ہے جو لوگ کثرت سے نماز پڑھتے ہیں انہیں جو نماز کی برکات حاصل ہوتی ہیں ان میں سے ایک بہت بڑی صفت خوش خلقی اور تواضع بھی ہے ان کے چہروں سے ان کی یہ صفت واضح ہو جاتی ہے۔ تو بھائیو صحابہ کرامؓ ہی ہمارے لئے دین کے روشن منارے ہیں اعلیٰ اخلاق کا یہ حکم اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے صرف انہیں کے لئے ہی نہیں تھا بلکہ ہمیں بھی یہی حکم ہے۔ کیا اعلیٰ اخلاق کی ضرورت صرف انہیں تھی؟ کیا ہمیں اعلیٰ اخلاق کی ضرورت نہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: نماز اہل ایمان کی معراج ہے۔ تو کیوں نہ ہم نمازوں کے ذریعے برکات حاصل کریں اور خود کو بھی صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خوش خلقی اور تواضع کی اعلیٰ صفت سے مزین کر لیں۔ سونے پر سہاگہ تو یہ ہے کہ ہمارے

لئے اخلاق کے ہر پہلو پر اکابرین کی زندگی میں کما حقہ رہنمائی بھی موجود ہے۔ احادیث نبویؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مذکور ہے آپؐ فرماتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کے ساتھ تعلق جوڑو خوف اور امید کے درمیان، چنانچہ حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت ہے وہ کہا کرتے تھے کہ اگر قیامت کے روز اعلان ہو کہ صرف ایک شخص جہنم جایگا تو مجھے ڈر ہوگا کہ کہیں وہ میں ہی نہ ہوں؟ یہ ہے وہ شخص ”امیر المؤمنین حضرت عمرؓ“ جو زمین پر ایک دُرہ

صحابہ کرامؓ کا آپس میں اخلاق کیا تھا؟ تو ہمیں نظر آتا ہے کہ وہ آپس میں نرم خو، متحل مزاج، بردبار، ایک دوسرے کے ساتھ عفو، درگزر کرنے والے ایک دوسرے کے لئے ایثار و قربانی کا جذبہ رکھتے تھے۔ یہ ساری صفات دراصل عالی ظرفی اور بالغ نظری سے پیدا ہوتی ہیں اور عالی ظرفی اور بالغ نظری مومن کے خمیر میں شامل ہوتی ہے

مارتے ہیں کہ کیا میں تجھ پر انصاف نہیں کرتا؟ تو زمین پر آنے والا زلزلہ رک جاتا ہے۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے نبیؐ فرماتے ہیں کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا۔ وہ شخص جسے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دیدی گئی لیکن پھر بھی ڈرتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے اسے کہتے ہیں خوف!۔ حجاج بن یوسف بہت ظالم حاکم تھا اس نے سینکڑوں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی شہید کروایا۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر قیامت کے دن تمام دنیا

والے اپنے اپنے منافقوں کو لے آئیں اور ہم اپنے ایک منافق حجاج بن یوسف کو لے آئیں تو ہمارا پہلا بھاری ہوگا لیکن جب انہوں نے سنا کہ حجاج بن یوسف مرتے وقت اللہ تبارک و تعالیٰ سے یوں دعا کر رہا تھا: (یا اللہ سب کہتے ہیں کہ تو مجھے معاف نہیں کرے گا لیکن مجھے امید ہے کہ تو مجھے معاف کر دیگا!) تو بھائی اسے کہتے ہیں ”امید!“ اتنا ظالم ہونے کے باوجود اللہ کی رحمت سے امید رکھتا ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ اس واقعہ کے بعد حجاج کے بارے میں سکوت اختیار فرماتے تھے کہ ہو سکتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ اسے معاف فرمادے۔ نیز آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اللہ جل جلالہ سے دعا مانگو تو روکے رکھنے اور عطا کرنے (کی امید) کے درمیان۔۔۔ یعنی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا جو آپؐ نے مانگی، ایسا نہ ہو کہ عطا ہو جائے تو آپؐ غرور میں پڑ جائیں۔ کہ جی ہم تو عند اللہ بڑے ہی مقبول ہیں۔ اور اگر آپؐ کی دعا روک لی جائے تو آپؐ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات سے (نعوذ باللہ من ذلک) ناامید ہو کر دعا کرنا ہی چھوڑ دیں کہ میری تو دعائیں ہی قبول نہیں ہوتی۔ یعنی کہ بندہ مومن کا اخلاق دعا کے معاملے میں اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ ان دو کیفیتوں کے درمیان درمیان ہو۔ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر کسی شخص کو پتہ چل جائے کہ دنیا میں اس کی قبول نہ ہونے والی دعاؤں کے سبب اس کے لئے آخرت میں کیا ذخیرہ کیا گیا تو وہ یہی دعا کرتا رہے کہ یا اللہ میری کوئی دعا قبول ہی نہ ہو۔ حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو اخلاق کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بیٹا اللہ تبارک و تعالیٰ سے اتنی امید باندھ کہ وہ تجھے اس کی نافرمانی پر جبری

نہ کر دے اور اس سے اتنا ڈر کہ وہ تجھے اس کی رحمت سے مایوس نہ کر دے۔ امام اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ اور کلام اللہ کے متعلق اخلاق! (اللہ رب العزت ہمیں بھی ایسی تلاوت اور سماعت نصیب فرمائے

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: ”مسلمان، مسلمان کے لئے عمارت کی طرح ہوتا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو قوت پہنچاتا ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کر کے بتایا۔ (متفق علیہ)

میں نے ایک اعرابی کے سامنے سورہ وَالذِّرِّیَّاتِ تلاوت کی جب میں اس آیت پر پہنچا ”وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوعَدُونَ“ (اور آسمان میں تمہاری روزی ہے اور جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے) تو وہ بولا کہ بس کر دو۔ اس کے بعد وہ اٹھا اور اپنی اونٹنی ذبح کر کے ہر آنے جانے والے پر اس کا گوشت تقسیم کر دیا۔ پھر اپنی تلوار اور کمان توڑ دی اور کہیں چلا گیا، امام اصمعیؒ فرماتے ہیں کچھ عرصہ بعد میری اس سے دورانِ طواف ملاقات ہوئی اس کا جسم کمزور اور رنگ پیلا پڑ چکا تھا اس نے مجھے پہچان کر سلام کیا اور وہی سورت سننے کی فرمائش کی جب میں اس آیت ”وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوعَدُونَ“ پر پہنچا تو وہ پکار کر بولا کہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اسے ہم نے برحق پایا، آگے پڑھئے، میں نے جب یہ آیت پڑھی ”فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقُّ“ (قسم ہے آسمان و زمین کے رب کی کہ یہ حق ہے) تو وہ اعرابی چیخ کر کہنے لگا سبحان اللہ وہ کون ہے جس نے ربِّ جلیل کو غضب ناک کر دیا حتیٰ کہ اسے قسم اٹھانی پڑی اور وہ کون ہے جس نے ربِّ جلیل کی بات کی تصدیق نہیں کی اور اسے قسم کھانے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس اعرابی نے تین مرتبہ یہ یہ جملے دہرائے اور اس کے ساتھ ہی اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اللہ اکبر۔ بھئی یہ ہے توجہ

لوگوں کو عطا و بخشش کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ: ”اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا“ (ترمذی)۔ یعنی ”مومنوں میں سے زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں جو ان میں سے اخلاق کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہیں۔“ اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں یہ چیز ایک اصولی اہمیت رکھتی ہے کہ نیکی کا کوئی کام حقیر نہیں ہے، خواہ بظاہر وہ کیسا ہی معمولی کیوں نہ ہو، اور بدی کا کوئی کام معمولی نہیں ہے، خواہ بظاہر وہ کتنی ہی چھوٹی سی کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنَّ تَلَقَّى آخَاكَ بِوَجْهِ طَلِیقٍ“ (مسلم) یعنی کسی نیکی کے کام کو حقیر مت سمجھو، خواہ وہ یہی کیوں نہ ہو کہ تم اپنے بھائی کو ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ ملو۔“ اسی طرح سلام سے آغازِ ملاقات و گفتگو کا حکم دیا گیا اور فرمایا کہ: ”اَفْسُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ“ اپنے درمیان سلام کو عام کرو۔“ (مسلم) چنانچہ صحابہ کرامؓ کے متعلق احادیث کی کتابوں میں آتا ہے کہ دورانِ سفر ان کے درمیان کوئی درخت بھی آجاتا تو وہ پھر سے آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے۔ ہم جب غور کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا آپس میں اخلاق کیا تھا؟ تو ہمیں نظر آتا ہے کہ وہ آپس میں نرم خو، متحمل مزاج، بردبار، ایک دوسرے کے ساتھ عفو و درگزر کرنے والے ایک دوسرے کے لئے ایثار و قربانی کا جذبہ رکھتے تھے۔ یہ ساری صفات دراصل عالی ظرفی اور بالغ نظری سے پیدا ہوتی ہیں اور عالی ظرفی اور بالغ نظری مومن کے خمیر میں شامل ہوتی ہے۔ خدائے واحد و قہار پر ایمان انسان کے اندر جس قسم کی بالغ نظری کی افراش چاہتا ہے

اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کے اندر پائی جانے والی تمام مذموم صفات، جو ان کی شخصیت کا لازمہ ہوتی ہیں، محمود صفات کے لئے جگہ خالی کر دیں۔ اسی لئے قرآن مجید اور احادیث نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں بے شمار مقامات پر مندرجہ بالا صفات کی تحسین کی گئی ہے اور اپنی شخصیتوں میں ان کو پروان چڑھانے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ یہ صفات ”مشتعل مزاجی، منتقم طبیعت، بد خوئی، طبیعت کی سختی، جلد بازی، عدم تدبر اور بخل و تنگدلی“ کی ضد ہیں اور ان سے اسلامی معاشرے کے انفرادی اور اجتماعی مزاج کا آب و رنگ معین ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا: ”إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللَّهُ، الْحِلْمُ وَالْإِنَاءُ“ (مسلم) یعنی ”تیرے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ پسند فرماتے ہیں: بردباری اور وقار و سنجیدگی۔“ حدیث قدسی ہے کہ: ”مَنْ يُحَرِّمِ الزُّفْقُ يُحَرِّمِ الْخَيْرَ كُلَّهُ“ (مسلم) ”جو زمری سے محروم ہوتا ہے وہ ہر طرح کی بھلائی سے محروم ہو جاتا ہے۔“ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے نصیحت کی درخواست کی تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”لَا تَعْصِبْ“ (غصے میں نہ آؤ) اس شخص نے متعدد مرتبہ یہی درخواست کی تو حضور ﷺ نے ہر مرتبہ اسے یہی نصیحت فرمائی۔ (بخاری شریف)۔ حضرت تمیم داریؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”الَّذِينَ النَّصِيحَةُ“ (دین خیر خواہی ہے)۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ، کس کے لئے؟ فرمایا: ”اللہ کے لئے اور اس کی کتاب کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے قائدین کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے۔“ (مسلم)۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ: ”وَالْيَصْفَحُوا أَلَّا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ“ (النور: 22)۔

”اور انہیں معاف کر دینا چاہئے اور درگزر کرنا چاہئے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے؟“ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ“ (متفق علیہ)۔ ”اور کسی شخص کو صبر سے بڑھ کر اچھا اور ہمہ گیر ”عطیہ“ نہیں دیا گیا۔“ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے: ”الصَّبْرُ ضِيَاءٌ“ ”صبر روشنی ہے۔“ (مسلم)۔ اسی طرح ارشاد فرمایا: ”الصَّبْرُ نِصْفُ الْإِيمَانِ“ ”صبر نصف ایمان ہے۔“ (بیہقی) طبرانی میں منقول ہے: کہ صبر کرنا اور اللہ کے اجر کی امید پر کام کرنا غلاموں کو آزاد کرنے سے افضل ہے اور ان صفات کے حامل کو اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے جنت میں داخل کرے گا۔“ ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر ایک ایسی صفت ہے جو ظلمت کدہ حیات میں انسان کے لئے روشنی کا کام دیتی ہے اور ایک مومن کے لئے دنیا اور آخرت کا سرمایہ ہے۔ ایک صبر تو یہ ہے کہ جس پر آپ کو قدرت نہ ہو اور آپ صبر کر لیں یہ بھی اچھی بات ہے لیکن اصل اخلاق تو یہ ہے کہ آپ قدرت رکھنے کے باوجود کسی کو معاف کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: ”مسلمان، مسلمان کے لئے عمارت کی طرح ہوتا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو قوت پہنچاتا ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کر کے بتایا۔ (متفق علیہ) آپ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے دوسرے مسلمان

بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“ (متفق علیہ)۔ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”إِنَّ الصَّدَقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ“ (متفق علیہ)۔ ”بے شک سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔“ مزید ارشاد ہوا: ”ذَعْبُ مَا يُرِيكَ إِلَى مَا لَا يُرِيكَ فَإِنَّ الصَّدَقَ طُمَأْنِينَةٌ وَالْكَذِبُ رَيْبَةٌ“ (ترمذی)۔ ”جو چیز تجھے شک میں ڈالتی ہے اسے چھوڑ کر اس کو اختیار کر جو شک میں ڈالنے والی نہیں ہے، کیونکہ سچ قلبی طمانیت (کا نام) ہے۔ اور جھوٹ شک و اضطراب (پیدا کرنے والی چیز) ہے۔“ قرآن وحدیث کے تعلیم کردہ اخلاق حسنہ کا مقصد اُسی سیرت و کردار کو پروان چڑھانا ہے جو ایک بندہ مومن کو ہر اس برائی کے مقابلے میں قوت فراہم کرتی ہے۔ جس سے قرآن وحدیث میں بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ”مثلاً تکبر، ظلم، سنگدلی، جھوٹ، غصہ، فحش گوئی اور بد زبانی، غیبت، چغل خوری، حسد، عیب جوئی، بخل، خیانت، نفاق، فریب، بزدلی، کینہ پروری، چاپلوسی، بدگمانی، اور بدخواہی وغیرہ“ آپ ﷺ نے اخلاق حسنہ کے لئے اتنی دعائیں اور اتنی تاکید اس لئے فرمائی ہے کہ انسان اخلاق ہی سے بنتا ہے اور عمدہ سیرت سب سے بڑی سفارش ہوتی ہے اور انسان کی پہچان بھی اخلاق سے ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ والے اخلاق اپنانے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یا رب العالمین)۔

آفتابِ ہدایت کا ایک روشن ستارہ

عبداللہ بن اُم مکتوم

دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لیے نافع ہو۔ جو شخص بے پروائی برتا ہے، اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو حالانکہ اگر وہ نہ سدھرے تو تم پر کوئی الزام نہیں۔ اور جو شخص تیرے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ ڈر بھی رہا ہے تو اُس سے تُو بے رخی برتا ہے۔“ (سورہ عبس پارہ تیس) حدیث میں ہے کہ اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد دربارِ نبوی ﷺ میں حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم کا احترام بہت بڑھ گیا۔ آپ ﷺ ان کی طرف خصوصی توجہ دیتے اور بہت خیال فرمانے لگے۔ جب بھی آپؐ کا شانہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوتے، تو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آپؐ کی بہت خاطر مدارت کرتیں۔

آپ کا نام عبداللہ تھا۔ والد کا نام قیس بن سعد اور والدہ کا نام عاتکہ بنت عبداللہ۔ والدہ کے نام کی مناسبت سے آپ کی کنیت اُم مکتوم تھی۔ حضرت

کہ مجھے بھی بھلائی کی وہ باتیں سکھائیں جو اللہ نے آپ ﷺ پر نازل فرمائی ہیں۔ اس وقت حضور نبی کریم ﷺ کا مخاطب اُمیہ بن خلف تھا۔ آپ کا خیال تھا کہ اگر ان سردارانِ مکہ میں سے ایک یا دوسرا بھی ہماری دعوتِ اسلام قبول کر لیں، تو مسلمانوں کی تقویت کا باعث ہوگا۔ اس موقع پر آپ ﷺ کو حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم کی مداخلت ناگوار گزری اور آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم کی طرف بے رخی برتی۔ اللہ تعالیٰ کو رسول اللہ ﷺ کا یہ طرزِ عمل پسند نہ آیا۔ لہذا آپ ﷺ پر سورہ عبس (پارہ تیس) نازل فرمائی گئیں۔ اس سورہ کی پہلی دس آیات حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم کی حمایت میں نازل فرمائیں۔ ان دس آیات کا ترجمہ یہ ہے: ”ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اس بات پر کہ وہ نایبِ اناس کے پاس آ گیا۔ تمہیں کیا خبر شاید وہ سدھر جائے یا نصیحت پر

اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ مکہ کے لوگ آہستہ آہستہ پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوت پر بے راہ روی کے طور طریقے چھوڑ کر حلقہٴ بگوشِ اسلام ہو رہے تھے۔ آنحضور ﷺ کی خواہش اور کوشش تھی کہ مکہ کے بڑے بڑے سردار بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں تاکہ دینِ اسلام کو قوت ملے۔ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں مکہ کے چند بڑے سردار حاضر ہوئے۔ ان میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ (دونوں بھائی) عمر بن ہشام (ابو جہل)، اُمیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ (حضرت خالد بن ولید سیف اللہ کے والد) شامل تھے۔ حضور اکرمؐ انھیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ فرما کر دعوتِ اسلام کی طرف راغب کر رہے تھے۔ اچانک حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم جو کہ بظاہر بصارت سے تو محروم تھے لیکن ان کا قلب بصیرت سے معمور تھا۔ آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا

عبداللہ بن اُمّ مکتوم پیدائشی نابینا تھے۔ رشتے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ، ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی عزیز داری تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، تو جنھوں نے اوّل دعوت پر لبیک کہا اور اسلام لے آئے، وہ ”سابقون الاولین“ کہلائے (یعنی اسلام قبول

حضرت عبداللہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ نے کم و بیش ۱۳ مرتبہ آنحضور کی عدم موجودگی میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت (امامت) کے فرائض انجام دیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی سعادت تھی جو انھیں نصیب ہوئی۔ سب سے پہلے جب غزوہ بدر میں شرکت کرنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، تو اپنے پیچھے آپ ہی کو مدینہ شہر میں اپنا نائب اور مسجد نبوی

آپ کہتے کہ مجھے علم تھا میں۔ میں ایک جگہ میدان جنگ میں اسے پکڑے کھڑا ہوں گا جس سے مسلمانوں کے پایہ استقلال میں لغزش نہیں آئے گی اور ان کے حوصلے بلند رہیں گے۔

کرنے میں سبقت لے جانے والے لوگ)۔ ان میں حضرت خدیجہ الکبریٰ کی طرح عبداللہ بن اُمّ مکتوم بھی شامل تھے۔ سابقون الاولون میں جہاں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت خدیجہؓ اور بچوں میں حضرت علیؓ کا نام نامی آتا ہے وہاں حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم کا نام بھی شامل ہے۔ آپ ان چند خوش قسمت اصحابہ میں شامل تھے جنھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر پہلے پہل اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس سے زیادہ خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دو جگہ حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم کا ذکر کیا ہے۔ سورہ عبس کی پہلی دس آیات مبارکہ آپ کی شان میں نازل ہوئیں۔ دوسری جگہ سورۃ النساء میں بھی آپ کے جذبہ شوق جہاد کے پیش نظر نہ صرف ذکر آیا بلکہ آپ کی خواہشات کے مطابق اللہ نے آیت نازل فرمائی۔ آپ حضرت بلالؓ کے علاوہ موزن رسولؐ بھی تھے۔ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے موزن مقرر فرمایا۔

میں امام مقرر فرمایا۔ فتح مکہ کے وقت بھی آپ نے مسجد نبوی میں امامت کے فرائض انجام دیے۔ حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم قرآن پاک کے حافظ بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم ان جانثار صحابہ میں شامل تھے۔ جنھیں آنحضورؐ نے ہجرت سے پہلے ہی مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ مدعا یہ تھا کہ آپ مدینہ جا کر وہاں لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیں۔ آپ ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند ماہ قبل حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ساتھ مدینہ آ گئے۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے، تو اسی سال نماز کے لیے اذان دینا شروع ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کے ساتھ ساتھ آپ کو بھی موزن مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب جلیلہ پر مامور فرمایا۔ یہ دونوں صحابہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اذان دینے کے فرائض نہایت تندہی سے انجام دیتے رہے۔ رمضان المبارک میں یہ دستور تھا کہ لوگوں کو جگانے کے لیے

حضرت بلالؓ پہلی اذان دیتے تھے اور اختتام سحر کے وقت دوسری اذان حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم دیا کرتے۔ آپ کی اذان کے بعد مسلمان روزے دار کھانا پینا ترک کر دیتے۔ ایسا بھی ہوتا کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اذان حضرت بلالؓ دیتے اور حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم اقامہ (تکبیر) پڑھتے۔ حضرت اُمّ سلمیٰؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میں اور حضرت میمونہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں کہ اس مجلس میں حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم تشریف لائے۔ ہم نے سوچا کہ وہ نابینا ہیں، تو ہم نے ان سے حجاب نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ حجاب کریں۔ میں نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو نابینا ہیں، دیکھ نہیں سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ بھی اندھی ہیں؟ آپ کی نظریں ان پر نہیں پڑ رہیں؟ اس کے بعد ہم نے حجاب کر لیا۔ اس مشہور حدیث کی روایت مشکوٰۃ، ترمذی، ابوداؤد اور مسند احمد میں موجود ہے۔ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں پردے کی کس قدر تاکید کی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نابینا آدمی ہوں۔ میرے گھر اور مسجد کے درمیان راستہ ناہموار ہے۔ کئی درخت اور جھاڑیاں بھی باعث رکاوٹ بنتی ہیں۔ میرے پاس کوئی آدمی بھی نہیں جو میری راہنمائی کر سکے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد تک لاسکے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے کوئی رخصت پاتے ہیں کہ میں اپنے گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کروں اور مسجد میں حاضر ہونے کی تکلیف سے بچ جاؤں؟“

بقیہ: انٹرویو بابر مسجد کی شہادت

ج: خامیاں ہر مذہبی قوم کے افراد میں ہوتی ہیں۔ مسلمانوں میں بھی ہیں۔ لیکن ان پر قابو پانے کی کوشش ہونی چاہیے۔

س: مسلمانوں کے لیے پیغام؟

ج: ایسے کام کیجیے جن سے اللہ راضی ہو جائے۔ یہ ہر انسان کی منزل مراد ہونی چاہیے۔

س: اسلام قبول کر لینے کے بعد امارات حکومت نے کیسے رد عمل کا مظاہرہ کیا؟

ج: متحدہ عرب امارات بالخصوص اسلامک کلچر سنٹر ابو ظہبی میں مسلمان بھائی اسلام قبول کرنے والوں کے لیے بہت کام کر رہے ہیں۔ حکومت کے علاوہ سبھی مسلمان نومسلموں کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں۔ اسی دوران ایک ریسٹورنٹ کے مالک، مدثر حسین بول پڑے: ”ہمارے ایک دوست، چودھری سلطان علی نے ایک بار بتایا کہ میں بھارت میں عبداللہ آدم شیخ بھائی کو عید پر تحائف بھجوا رہا ہوں۔ ہمارے پوچھنے پر انھوں نے مزید بتایا کہ عبداللہ بھائی نے اسلام قبول کر لیا۔ آج کل بھارت میں بے روزگار ہیں۔ میں نے کہا، انھیں یہاں بلا لیتے ہیں۔ ہم نے جب عبداللہ بھائی کا انٹرویو کیا، تو پتا چلا کہ وہ زائد الوزن اور شوگر کے مریض ہیں۔ تب ہم نے معذرت کر لی۔“ اس کے بعد ایک ہفتے تک اضطرابی کیفیت کا شکار رہا۔ بالآخر ہم نے ان کا ویزہ جمع کروا دیا۔ آج الحمد للہ عبداللہ بھائی ہمارے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ وہ اپنی دو بچیوں اور ایک بیوہ سالی سمیت اپنے اہل خانہ کی کفالت کرتے ہیں۔ بلاشبہ ان کی یہاں موجودگی کسی معجزے سے کم نہیں۔“

”ضرر رسیدہ (معذور) افراد کے علاوہ جو مسلمان (بوقتِ جہاد) اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے ہم مرتبہ نہیں جو اپنے اموال اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں۔“ (سورۃ النساء آیت: ۹۵) جب آپؐ نے یہ آیت سنی، تو آپؐ کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ آپؐ کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا۔ حالانکہ آپؐ کو جہاد میں شریک ہونے سے استثنیٰ مل چکا تھا، اس کے باوجود جہاد میں شریک ہونے کا شوق اس قدر تھا کہ آپؐ نے پھر بھی کئی غزوات میں حصہ لیا۔ آپؐ کہتے کہ مجھے علم تھا میں ایک جگہ میدان جنگ میں اسے پکڑے کھڑا ہوں گا جس سے مسلمانوں کے پایہ استقلال میں لغزش نہیں آئے گی اور ان کے حوصلے بلند رہیں گے۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں حضرت عبداللہؓ بن اُمّ مکتوم خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ۱۴ھ میں جنگ قادسیہ میں شریک ہوئے۔ تین دن تک ایرانیوں سے معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ انھوں نے زرہ پہنی ہوئی اور علم تھا م رکھا تھا۔ تین دن بعد جب مسلمان فتح سے ہم کنار ہوئے، تو مسلمان غازیوں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہؓ بن اُمّ مکتوم شہادت کے رتبہ سے سرفراز ہو چکے ہیں اور آپؐ نے علم اسی طرح سے اپنے ہاتھوں سے تھام رکھا تھا۔ یہ ۶۳۶ء کا واقعہ ہے۔ آخر کار نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور موذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت جیسے رتبہ کو گلے لگا کر قرآن پاک کی تفسیر کا عملی نمونہ تاریخ اسلام میں رقم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ بن اُمّ مکتوم کی مشقت اور پریشانی دیکھی۔ آپؐ کا عذر معقول تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہاں! تم گھر میں نماز پڑھ سکتے ہو۔ اس کے بعد حضرت عبداللہؓ بن اُمّ مکتوم واپس چلے گئے۔ جب کفار مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مسلمان مدینہ چلے آئے تو کفار مکہ کے غیظ و غضب کی آگ بھڑک اٹھی۔ مسلمان مدینہ اور کفار مکہ کے درمیان غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت عبداللہؓ بن اُمّ مکتوم چونکہ آنکھوں کی بینائی سے محروم تھے اس باعث جہاد میں شرکت کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ حالانکہ ان کے دل میں جذبہ جہاد جنون کی حد تک موجود تھا۔ اسی اثنا میں قرآن پاک کی یہ آیت اتری:

”ترجمہ: وہ مسلمان جو (بوقتِ جہاد) اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں، رتبہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہیں۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تبّ وجی حضرت زیدؓ بن ثابت کو یہ آیت لکھوا رہے تھے کہ حضرت عبداللہؓ بن اُمّ مکتوم وہاں پہنچ گئے۔ انھوں نے جب یہ ارشاد ربانی سنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا ”مجھے جہاد میں شریک ہونے کی قدرت حاصل ہوتی تو ضرور شرفِ جہاد حاصل کرتا جس سے میں محروم ہو گیا ہوں۔“ حضرت عبداللہؓ بن اُمّ مکتوم کی یہ حسرت بھری خواہش بارگاہِ خداوندی میں اتنی پسندیدہ بنی کہ اس کے بعد ایک اور حکم الہی نازل ہوا جس میں انھیں اور ان جیسے تمام معذور افراد کو جہاد میں شریک ہونے کے حکم سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ آیت ربانی یہ ہے: ترجمہ:



رضاءِ کریم

نیکوئوں کا موسم بہار

بنتِ اسلام

”حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب رمضان شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے

جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان (زنجیروں میں) جکڑ دیئے جاتے ہیں“

اللہ رب العزت وہ عظیم ذات ہے جس کی رحمت اور مغفرت کے دروازے ہر وقت ہر ایک کے لئے کھلے رہتے ہیں اور اس کی رحمت کا دریا ہر وقت موجزن رہتا ہے۔ اس کی رحمت کا سائباں ہر وقت اپنے بندوں پر سایہ فگن رہتا ہے اور مخلوق کو اپنی رحمت کے سائے میں لئے رکھنا اس عظیم ہستی کی شان کریبی ہے۔ وہ رحمن و رحیم ذات اپنی کمزور اور بے بس مخلوق پر کرم فرمانے، گناہگار بندوں کی خطاؤں کو معاف فرمانے اور انعامات سے نوازنے کے بہانے تلاش کرتی ہے۔ اللہ رب العزت نے بعض چیزوں کو بعض پر فضیلت دی ہے جس طرح مدینہ منورہ کو تمام شہروں پر، مسجد حرام کو تمام مساجد پر، ایک مومن کو تمام انسانوں پر، ایک ولی کو تمام مومنوں پر، ایک صحابی کو تمام ولیوں پر، نبی کو تمام

صحابہ پر، رسول کو تمام نبیوں پر اور رسولوں میں تاجدار کائنات سرور کو نبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص فضیلت اور مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ اسی طرح قبولیت کی ساعت کو تمام ساعتوں پر، جمعہ کے دن کو تمام دنوں پر، لیلۃ القدر کو تمام راتوں پر اور ماہ رمضان کو تمام مہینوں پر خاص اہمیت و فضیلت حاصل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”پس تم میں سے جو کوئی اس مہینے کو پالے تو وہ اس کے روزے ضرور رکھے۔“

فضیلتِ ماہِ رمضان!

رمضان المبارک میں بارگاہ الہی سے رحمتوں اور
 برکتوں کی بارش ہوتی ہے اس کا ہر لمحہ انوار و تجلیات
 اور رحم و کرم لئے ہوتا ہے۔ اس ماہ مقدس میں اللہ
 تعالیٰ کے خزانے مومنوں کے لئے کھلے ہوتے

ہیں۔ دستِ سوال دراز کرنے والے کی جھولی بھر دی جاتی ہے۔ سوالی گوہر مراد سے اپنا دامن بھر بھر تھک تو سکتے ہیں مگر دینے والے داتا کے خزانوں میں کمی نہیں آتی ہے۔ ”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن فرمایا جبکہ رمضان شروع ہو چکا تھا: تمہارے پاس برکتوں والا مہینہ آ گیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے ڈھانپ لیتا ہے، رحمت نازل فرماتا ہے، گناہوں کو مٹاتا ہے اور دعائیں قبول فرماتا ہے، اس مہینے میں اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں پر نظر فرماتا ہے اور تمہاری وجہ سے اپنے فرشتوں کے سامنے فخر فرماتا ہے۔ بد بخت ہے وہ شخص جو اس ماہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہا۔“ ماہ مبارک کے آغاز کے ساتھ ہی رحمت

خداوندی پے درپے نازل ہوتی ہے اور بندوں کے نیک اعمال اور دعائیں کسی رکاوٹ کے بغیر قبول ہوتی ہیں۔ روزہ دار ایسے اعمال کی طرف راغب ہوتا ہے جو جنت میں داخل ہونے کا باعث ہیں۔ ایسے افراد جو رمضان المبارک کے روزے رکھتے ہیں اور راتوں کو قیام کرتے ہیں تو ان کے تمام صغیرہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور کبیرہ گناہوں کی معافی کی امید رکھی جاسکتی ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص بحالت ایمان ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھتا ہے اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔“ رمضان المبارک کی پر نور ساعتوں کے آغاز کے ساتھ ہی ہر شخص نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے اور رب کائنات کی رحمت کی برسات کا نزول ہر خاص و عام پر ہوتا ہے اور ذات باری تعالیٰ ہر شخص کو اپنے سایہ رحمت سے ڈھانپ لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عبادت اور ذکر و اذکار میں مشغول دیکھ کر فخر کرتا ہے۔ دست دعا بلند کرنے والوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ گناہوں کی بخشش کے طلبگاروں کے گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے اور رب کائنات کی رحمت کی عنایت معمول سے کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدمی کا ہر عمل اس کے لئے ہے اور ہر نیکی کا ثواب دس گناہ سے لے کر سات سو گنا تک ہے سوائے روزہ کے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا عطا کرتا ہوں۔“

ماہ رمضان میں برکتوں اور رحمتوں کا نزول!
رمضان المبارک کی نورانی اور پاکیزہ ساعتیں عالم افق پر سایہ فگن ہیں۔ اس ماہ مبارک میں اللہ تعالیٰ

ہیں۔ ماہ مبارک میں اس کے ظالمانہ کام روک دیئے جاتے ہیں اور لوگوں کی اکثریت اللہ کی طرف رجوع کرتی ہے۔ گناہوں میں منہمک رہنے والے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب رمضان شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان (زنجیروں میں) جکڑ دیئے جاتے ہیں،

افراد کی اکثریت نیکی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ نماز پڑھنے لگتے ہیں، قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر و اذکار کی محافل میں شریک ہونے لگتے ہیں جن گناہوں کا علی الاعلان ارتکاب کیا جاتا تھا اس سے باز آ جاتے ہیں گویا نیک کام کرنے کے لئے سازگار ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔

نزولِ قرآن:

رمضان المبارک کی سب سے اہم فضیلت اور برکت یہ ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا جو کل انسانیت کے لئے نہ صرف خیر و برکت کا موجب ہے بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات اور سرچشمہ رشد و ہدایت بھی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن اتارا گیا۔“

شب قدر اور اس کی فضیلت

رمضان المبارک کی راتوں میں سے ایک رات شب قدر کہلاتی ہے جو خیر و برکت اور قدر و منزلت کی حامل ہے۔ اللہ رب العزت نے سورۃ القدر میں لیلیۃ القدر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اسے ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا ہے۔ اس رات جبرائیل علیہ السلام فرشتوں کے جھرمٹ میں زمین پر اترتے

کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول بے حد اور بے حساب ہوتا ہے۔ اس ماہ مبارک میں اللہ تعالیٰ نوافل ادا کرنے والے کو فرائض کا ثواب عطا کرتے ہیں اور رب کائنات اپنے بندوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ ہے کوئی سوال کرنے والا کہ وہ سوال کرے تو اسے عطا کیا جائے۔ ہے کوئی مغفرت کا طلبگار کہ وہ مغفرت طلب کرے تو اسے بخش دیا جائے، ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے۔ وہ بندہ نواز اپنے بندوں کو نوازنے اور انہیں معاف کرنے کے بہانے تلاش کرتا ہے۔ رمضان المبارک میں رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا اندازہ اس حدیث مبارکہ کی روشنی سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب رمضان شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان (زنجیروں میں) جکڑ دیئے جاتے ہیں۔“ شیاطین کا کام لوگوں کو بہکانا، برائی کی طرف مائل کرنا اور اچھے کاموں سے روکنا ہے۔ رمضان المبارک کے آغاز کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے شیاطین پابند سلاسل کر دیئے جاتے

ہیں اور ہر شخص کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں جو اللہ کی عبادت میں مشغول ہو۔ جس شخص کی یہ ایک رات عبادت میں گزری گویا اس نے ایک ہزار مہینے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارے۔ اس رات کی جانے والی عبادت کو ہزار مہینوں کی عبادت سے اس لئے افضل قرار دیا گیا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سابقہ لوگوں کی عمروں سے آگاہ فرمایا گیا تو آپ نے ان کے مقابلے میں اپنی امت کے لوگوں کی عمر کو کم دیکھتے ہوئے یہ خیال فرمایا کہ میری امت کے لوگ اتنی کم عمر میں سابقہ امتوں کے برابر عمل کیسے کر سکیں گے؟ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمادی جو ہزار مہینے سے افضل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لیلۃ القدر کی ساعتوں میں عبادت و اطاعت کی تلقین فرمائی ہے اور اس بات کی طرف بھی متوجہ کیا ہے کہ عبادت سے محض اللہ کی خوشنودی مقصود ہو یا کاری یا بدینتی کا عنصر نہ ہو اور آئندہ کے لئے یہ عہد کر لے کہ وہ برائی کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ ایسے شخص کے لئے یہ رات مغفرت کی نوید بن کر آتی ہے۔ ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رمضان المبارک کی آمد پر ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ جو ماہ تم پر آ رہا ہے اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار ماہ سے افضل ہے جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا گویا وہ سارے خیر سے محروم رہا اور اس رات کی بھلائی سے وہی شخص محروم رہ سکتا ہے جو واقعتاً محروم ہو۔ شب قدر کو تمام عالم اسلام سے مخفی رکھا گیا ہے تاکہ اس کی تلاش میں متعدد راتیں عبادت میں گزریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کے بندے راتوں کو جاگ کر

عبادت کریں اور اس کے تعین کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔“

رمضان المبارک کے روزوں کی فضیلت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک کے مہینے سے بے پناہ محبت فرمایا کرتے تھے۔ رمضان المبارک کا اہتمام ماہ شعبان میں روزوں کی کثرت سے ہو جایا کرتا تھا۔ جب رجب کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمایا کرتے: ”اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان بابرکت بنادے اور ہمیں رمضان نصیب فرما“

رمضان المبارک کا مہینہ اللہ کی رحمتوں کا موسم بہار ہے اس مہینے کو جو خصوصیات عطا فرمائی ہیں اور اسے جن انوار و برکات سے نوازا ہے اس کا شمار انسان کے لئے ممکن نہیں اس لئے اس ماہ مبارک سے منسلک عبادات کا نعم البدل موجود نہیں ہے۔ اللہ رب العزت نے رمضان المبارک کے جو فضائل اور برکات مقرر کئے ہیں اس سے یہی غرض سامنے آتی ہے کہ اس ماہ مبارک کا ہر لمحہ اور ہر گھڑی عبادت و ریاضت میں گزرے لیکن حاجت بشریہ میں گھرے ہوئے انسان کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ اپنے بشری تقاضوں سے علیحدہ ہو کر ہمہ وقت

عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاتا اس لئے انسانوں کے ضعف اور ان کی ضروریات طبعیہ پر نظر کرم فرماتے ہوئے رب کائنات کی رحمت نے دستگیری فرمائی اور اس ماہ مبارک میں ایسے انداز عبادت کو فرض کے طور پر متعین فرمادیا کہ انسان اس عبادت کے ساتھ اپنی ضروریات و حوائج میں بھی مصروف رہ سکتا ہے اور عین اس خاص طریقہ عبادت میں بھی مصروف ہو سکتا ہے۔ اس خاص طریقہ عبادت کو روزہ کہا جاتا ہے جسے اس ماہ فرض کیا گیا ہے۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ انسان روزہ رکھ کر اپنے ہر کام احسن طریقے سے انجام دے سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے روزے کی فرضیت کے بارے میں بلا امتیاز مرد و زن تمام اہل ایمان سے ارشاد فرمایا ہے: ”اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے، تاکہ تم پر ہیزار گار بن جاؤ۔“ (البقرہ)

روزہ ایک حسین اور پوشیدہ عبادت ہے اس میں دیگر ظاہری عبادات، نماز، زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کی نسبت ریا کاری کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے۔ دوسری عبادات کا حال لوگوں کو معلوم ہو سکتا ہے لیکن روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے اس لئے روزے کو اللہ تعالیٰ نے خالص اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ”بنی آدم کا ہر عمل اس کے لئے ہے سوائے روزہ کے روزہ صرف میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دیتا ہوں۔“

روزہ داروں کے لئے دروازہ

جنت میں انسانوں کے اعمال کے اعتبار سے کئی

دن کے وقت میں نے اس کو کھانے اور شہوت سے روک رکھا پس اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما اور قرآن کہے گا میں نے رات کو اسے جگائے رکھا پس اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ پس دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔“

رمضان المبارک میں معمولات نبوی ﷺ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک کے مہینے سے بے پناہ محبت فرمایا کرتے تھے۔ رمضان المبارک کا اہتمام ماہ شعبان میں روزوں کی کثرت سے ہو جایا کرتا تھا۔ جب رجب کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمایا کرتے: ”اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان بابرکت بنادے اور ہمیں رمضان نصیب فرما۔“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک کو خوش آمدید کہہ کر اس کا استقبال کرتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو مبارک باد پیش کرتے تھے۔

سحر و افطار کا معمول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزے کا آغاز سحری کھانے سے فرمایا کرتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو تاکید فرمائی ہے کہ سحری ضرور کھایا کرو خواہ وہ پانی کا ایک گھونٹ ہی کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے سحری کھایا کرو کیونکہ سحری میں برکت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زندگی بھر یہ معمول رہا ہے کہ سحری آخری وقت میں تناول فرماتے اور افطاری کرنے میں جلدی کیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے لوگ بھلائی پر رہیں گے جب وہ روزہ جلد

دروازے ہیں۔ دنیا میں کئے جانے والے نیک اعمال کے بدلے میں جنت میں اس عمل کے ذریعے رحمت خداوندی سے مستفید ہوتے ہیں اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا جب ماہ رمضان شروع ہو جاتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا کمر بند کس لیتے پھر آپ اپنے بستر

مبارک پر تشریف نہیں لاتے تھے یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا۔

جھولیاں بھر بھر کر مراد پاتے ہیں۔ شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔ جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں جس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیاطین کو قید کر کے نیکیوں کے لئے سازگار ماحول پیدا کر دیا ہے تاکہ انسانوں کے لئے ترک اطاعت اور گناہوں کے کرنے کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے اور اگر کوئی شخص ایسے سازگار ماحول میں بھی اپنی بخشش و مغفرت نہ کروا سکے تو یہ اس کی کم بختی اور بدنصیبی ہوگی۔ حدیث مبارکہ میں ایسے شخص کو بدنصیب کہا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا وہ شخص بڑا ہی بدنصیب ہے جس نے رمضان کا مہینہ پایا لیکن اس کی بخشش نہ ہوئی۔ اگر اس کی (مغفرت کے) مہینہ میں بخشش نہ ہوئی تو پھر) کب ہوگی؟

ذریعہ شفاعت

روزہ اور تلاوت قرآن پاک انسان کے ایسے اعمال ہیں جو بندوں کے حق میں شفاعت کریں گے۔ اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روزہ اور قرآن قیامت کے روز بندہ مومن کے لئے شفاعت کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا اے اللہ!

دروازے سے داخل کیا جائے گا۔ باب الریان جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جو روزہ داروں کے لئے مخصوص ہے جس سے صرف روزہ دار داخل ہوں گے۔ ”حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ریان کہا جاتا ہے۔ قیامت کے دن روزہ دار اس میں سے داخل ہوں گے اور ان کے سوا اس دروازے سے کوئی داخل نہیں ہوگا۔

گناہوں کی بخشش و مغفرت

ماہ مبارک میں روزہ دار مخصوص اوقات میں کھانا پینا اور نفسانی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے ترک کر دیتا ہے تو اللہ رب العزت اس کے بدلے میں بے پناہ اجر و ثواب سے نوازتا ہے اور اس کے تمام سابقہ گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے حدیث مبارکہ میں ہے: ”حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایمان اور حصول ثواب کی نیت کے ساتھ رمضان کی راتوں میں قیام کرتا ہے تو وہ گناہوں سے یوں پاک ہو جاتا ہے جیسے اس دن تھا جب اسے اس کی ماں نے جنم دیا تھا۔“

رحمت خداوندی کا نزول

ختم قرآن

تشریف نہیں لاتے تھے یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رمضان المبارک کے دوران ایک بار ختم قرآن معمول رہا ہے اور آپ نے اپنی امت کو بھی اسی اعتدال پر چلنے کی تعلیم و تلقین فرمائی ہے۔ اسلام ایک سادہ اور فطرت سے ہم آہنگ دین ہے اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی اسی فطری سادگی کی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے دین میں تنگی پیدا نہ کرو اسی لئے ہر امتی کی سہولت کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رمضان میں ایک بار قرآن پاک ختم کرنے کے معمول پر زندگی بھر کا رہند رہے۔ ہر رمضان میں رات کے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام قرآن پاک کا دور کرنے کے لئے آقائے دو جہاں سرور کو نبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ مبارکہ میں تشریف لاتے جہاں باری باری ان دونوں ہستیوں میں سے ایک کلام پاک کی تلاوت کرتی تو دوسری سماعت فرماتی۔ یہ معمول ہر رمضان جاری رہا یہاں تک کہ وصال مبارک سے پہلے آخری رمضان آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سابقہ معمول کے برعکس دو مرتبہ قرآن پاک کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن حکیم کا دور کیا۔

کثرت صدقات و خیرات

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ کثرت کے ساتھ صدقہ و خیرات کیا کرتے تھے۔ کوئی سوالی آپ کے در سے خالی نہیں

افطار کرتے رہیں گے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اوقات کھجور سے روزہ افطار فرمایا کرتے تھے اگر وہ میسر نہ ہوتی تو پانی سے افطار فرمالتے تھے۔ حضرت سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی روزہ دار افطار کرے تو اسے چاہئے کہ کھجور سے کرے کیونکہ اس میں برکت ہے۔ اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی سے کیونکہ پانی پاک ہوتا ہے۔

قیام رمضان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا ہر ایک لمحہ عبادت اور ذکر الہی میں مشغول ہوتا تھا لیکن کثرت ذکر اور عبادت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں جب بھی رمضان کا مبارک مہینہ طلوع ہوتا تو رمضان کی راتوں میں تو اتر کے ساتھ قیام کرتے اور نماز، تسبیح و استغفار اور ذکر الہی میں مشغول رہتے۔ رمضان المبارک شروع ہوتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا بستر مبارک لپیٹ دیتے اور رمضان المبارک کے ختم ہونے تک اپنے بستر مبارک پہ تشریف نہ لاتے۔ نماز عشاء ادا کر لینے کے بعد آپ کا یہ معمول مبارک تھا کہ آپ ساری رات تسبیح و تحمید اور ذکر الہی میں گزار دیتے اور اہل خانہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو فرمایا کرتے تھے کہ رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں نوافل ادا کرنے والے کو اللہ تعالیٰ فضوں کا ثواب عطا کرتا ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا جب ماہ رمضان شروع ہو جاتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا کمر بند کس لیتے پھر آپ اپنے بستر مبارک پر

لوٹتا تھا لیکن رمضان المبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جود و سخا باقی مہینوں کی نسبت کئی گنا بڑھ جاتی۔ اس ماہ صدقہ و خیرات میں اتنی کثرت ہو جاتی کہ ہوا کے تیز جھونکے بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آجاتے تو آپ کی سخاوت کی برکات کا مقابلہ تیز ہوا نہ کر پاتی حضرت جبرائیل علیہ السلام عام دنوں کی نسبت کثرت سے آتے تھے اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے آنے کی خوشی میں صدقہ و خیرات بھی کثرت سے کرتے تھے۔

معمول اعتکاف

رمضان المبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باقاعدگی کے ساتھ اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ تر رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ آخری عشرے کے علاوہ رمضان المبارک کے پہلے اور دوسرے عشرے میں بھی اعتکاف فرمایا لیکن جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ فرمایا گیا کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرے میں ہے۔ اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ آخری عشرے میں ہی اعتکاف فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمول اعتکاف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔

درود و سلام کے فضائل

ماخوذ از: مجموعہ وظائف

آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”میرے پاس آیا ایک فرشتہ (جبریل علیہ السلام) اور اس نے کہا: اے محمد (ﷺ) کیا آپ کو یہ بات راضی نہیں کرتی کہ آپ کے رب عزوجل فرماتے ہیں: تیری امت میں سے جو شخص ایک مرتبہ درود بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ درود بھیجوں گا اور جو ایک مرتبہ سلام بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا۔ آپ ﷺ نے (اس کے جواب) فرمایا ”ہاں کیوں نہیں!“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ ”اللہ جل جلالہ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو (زمین میں) پھرتے رہتے ہیں اور مجھے میری امت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ”اللہ جل جلالہ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کر رکھا ہے جس کو ساری مخلوق کے نام بتا دیئے ہیں۔ پس جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک درود بھیجتا رہیگا وہ فرشتہ مجھے اسکا اور اس کے باپ کا نام لیکر درود پہنچاتا ہے کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اس نے آپ پر درود بھیجا ہے۔“

اس کا حشر فرمائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کا چہرہ انور خوشی سے بہت ہی چمک رہا تھا اور خوشی کے آثار چہرہ انور پر بہت ہی محسوس ہو رہے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) جتنی خوشی آج چہرہ انور پر محسوس ہو رہی ہے اتنی تو پہلے محسوس نہیں ہوتی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے کیوں خوشی نہ ہو، ابھی جبریل علیہ السلام میرے پاس سے گئے ہیں اور وہ یوں کہہ رہے تھے کہ آپ کی امت میں سے جو شخص ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی وجہ سے دس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھیں گے اور دس گناہ معاف فرمائیں گے اور دس درجے بلند فرمائیں گے اور ایک فرشتہ اس سے وہی کہے گا جو اس نے کہا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: میں نے جبریل (علیہ السلام) سے پوچھا یہ فرشتہ کیسا؟ تو جبریل (علیہ السلام) نے کہا: اللہ جل جلالہ نے ایک فرشتہ کو قیامت تک کے لئے مقرر کر دیا ہے کہ جو آپ پر درود بھیجے وہ اس کے لئے ”وَأَنْتَ صَلَّی اللہُ عَلَیْکَ“ کی دعا کرے۔ ایک روایت میں یہ قصہ یوں ہے کہ

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: جس کے سامنے میرا تذکرہ آئے اس کو چاہیے کہ مجھ پر درود بھیجے اور جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود بھیجیں گے

فائدہ: علامہ منذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو ایک مرتبہ مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دیتے ہیں اور اس کی دس خطائیں معاف کر دیتے ہیں اور اس کے دس درجے بلند کریں گے اور یہ اس کے لئے دس گلام آزاد کرنے کے بقدر ہوگا۔ اور طبرانی کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ جو ایک مرتبہ مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود بھیجتے ہیں اور جو مجھ پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ جل جلالہ اس پر سو مرتبہ درود بھیجتے ہیں اور جو مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی پیشانی پر ”بَرَاءُ فَمِنْ النِّفَاقِ وَبَرَاءُ فَمِنْ النَّارِ“ لکھ دیتے ہیں یعنی یہ شخص نفاق سے بھی بری ہے اور جہنم سے بھی بری (آزاد) ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ

امت مسلمہ کی مظلوم بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی

میں ڈوب رہی ہوں!!!

اس قید میں کشتی ہوں میں اور قید ہے منجھدار
میں ڈوب رہی ہوں کوئی سنتا ہے یہ پکار
قاسم کا بیٹا کوئی یا اس کا سا سالار
محمود کی غیرت یا صلاح الدین کا سا پیار
خولہ کی سی جرات بھائی جس کا تھا وہ ضرار
ہے کوئی جو خالد کی طرح رب کی ہو تلوار
سن لے اے میرے پیارے سن لے اے میرے پیارے
تیرا درما ہے رہائی
ہونگی میں بہن تیری اور تو میرا بھائی
ہونگی میں اس کی جو سنے گا میری دہائی
اللہ کی بندی کو دلائے گا آزادی
اللہ نے سن لی ہے میرے دل کی منادی

ڈاکٹر عافیہ صدیقی نے 24 اگست 2013 کو ٹیلی فون پر اپنی والدہ کو اپنے کہے چند اشعار سنائے

عہدِ حاضر کا شرک

یہی وہ شرک ہے جس میں موجودہ مادی تہذیب مبتلا ہے اس نے طبعی، مادی اور فنی اسباب اور ماہرین فن کو خدا کا درجہ دے رکھا ہے۔ عہدِ حاضر کے انسان نے اپنی پوری زندگی ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ زندگی اور موت، کامیابی و ناکامی، اقبال و ادبار، خوش نصیبی و بد نصیبی سب ان کے ہاتھ میں ہے، اسبابِ مادی، کائناتی قوتوں اور نیچر کی یہ پرستش و تقدیس اور اہل اختصاص اور ماہرین فن پر اعتماد کلی اور ان کو خدا کے درجہ پر رکھنا ایک نئی و ثنیت اور اورنیا شرک ہے۔ اس نے قدیم بت پرستی کے ذخیرہ میں جس کا ترکہ اس کے پاس اب بھی محفوظ ہے اور جس کے ماننے والے اور چاہنے والے اب بھی بکثرت موجود ہیں۔ ایک نئی قسم کی بت پرستی کا اضافہ کیا ہے، جو ایمان اور عبدیت کی حریف ہے اور یہ وہی و ثنیت ہے جس کو سورہ کہف نے چیلنج کیا ہے اور جس سے وہ پوری طرح برسرِ پیکار ہے۔

اقتباس از: معرکہ ایمان و مادیت (مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)